

تقلیدِ شرعی کی ضرورت

مؤلف
حضرت مولانا مفتی شہید عبدالحکیم لاچپوری
(صاحبِ قانونِ حرمینہ)

پسندِ قمرودہ
حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد بنگل صاحب
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی



بیتُ الاشاعت کراچی

0321-7556284

تقلیدِ شری کی ضرورت

مؤلف
حضرت مولانا مفتی شید عبدالرحیم لاچوری
(صاحبِ قانونِ حینیہ)

پسندِ فرمودہ
حضرت مولانا ڈاکٹر منظور امین گل صاحب
اساتذہ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی



بیتُ الاشاعت کراچی

0321-7556284

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

■ نام کتاب تقیہ شرعی کی ضرورت
■ مؤلف حضرت علامہ شیخ عبدالحکیم ابراہیم



بیتُ الاشاعت کراچی

0321-7556284

غیر مقلدین کا اعتراف.....	۵۱	غیر مقلد کی کتاب فقہ محمدی میں تقلید
تقلید کی حیثیت اور اس کا ثبوت.....	۵۳	سے متعلق ہفتوات..... ۷۶
خواہش نفسانی پر عمل کرنے کی مذمت.		غیر مقلدین کے چند اشکالات
قرآن، حدیث اور اسلاف کے		اور ان کے جوابات..... ۷۸
اقوال کی روشنی میں.....	۵۶	پہلا اشکال..... ۷۸
خواہشات نفسانی سے محفوظ رہنے		دوسرا اشکال..... ۸۱
کے لئے تقلید ضروری ہے.....	۶۳	تیسرا اشکال..... ۸۴
تقلید امر فطری ہے.....	۶۳	چوتھا اشکال..... ۹۲
نفس تقلید قرآن وحدیث سے ثابت		پانچواں اشکال..... ۹۵
ہے (یعنی تقلید کا ثبوت قرآن		امام الائمة حضرت امام ابوحنیفہؒ..... ۹۶
وحدیث کی روشنی میں).....	۶۴	ضرورت تدوین فقہ..... ۹۶
تقلید کی دو صورتیں ہیں		ہندوپاک میں مذہب حنفی کا رواج.. ۹۶
تقلید مطلق اور تقلید شخصی.....	۶۸	امام صاحب کے متعلق حدیثی
صحابہؓ اور تابعینؓ کے عہد مبارک میں		بشارت..... ۹۷
تقلید شخصی کا ثبوت.....	۶۸	امام صاحب تابعی ہیں..... ۹۸
تقلید شخصی میں تقلید کا انحصار.....	۷۰	امام صاحب کے متعلق چند محدثین
تقلید شخصی کے ضروری ہونے کے		کبار کا بیان..... ۹۹
متعلق حکیم الامت حضرت مولانا		سید الحفاظ امام یحییٰ ابن معینؒ..... ۹۹
اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی		امام نقدرجال یحییٰ ابن سعید قطانؒ... ۱۰۰
تحقیق انیق.....	۷۰	امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت
علامہ ابن تیمیہؒ بھی تقلید شخصی کو		عبداللہ بن مبارکؒ..... ۱۰۱
ضروری قرار دیتے ہیں.....	۷۴	امام اعمش کوئیؒ..... ۱۰۳
شیخ عبدالوہاب نجدیؒ اور تقلید شخصی...	۷۴	امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن حجاجؒ

۱۰۴	ہندوپاک میں غیر مقلدیت، نجریت	امام حدیث علی بن مدینی
۱۲۳	اور قادیانیت کا فتنہ	امام حدیث سفیان ثوری
۱۰۶	علامہ ابو محمد عبدالحق حقانیؒ کا مولانا	محدث شہیر بزید بن ہارونؒ
۱۰۷	محمد سامرودی کے ساتھ مناظرہ کی	امام وکیع بن جراحؒ
۱۲۴	روئیداد	حافظ امام ابویوسفؒ
۱۰۸	غیر مقلد عبد الجلیل سامرودی کا	امام مالکؒ
۱۲۷	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مناظرہ	امام شافعیؒ
۱۰۹	غیر مقلد مولوی عبد الجلیل سامرودی	امام احمد بن حنبلؒ
۱۰۹	کے پمفلٹ کے جواب میں عدالت	امام حدیث مسعر بن کدامؒ
۱۱۰	میں جماعت غیر مقلد کی موجودگی	محدث شہیر امام اوزاعیؒ
۱۲۹	میں احقر کا بیان	محدث کبیر کی بن ابراہیمؒ
۱۱۱	تمہ جواب متعلق	محدث شہیر شقیق بلخیؒ
۱۳۱	رفع یدین و آمین بالجہر	شیخ علی بن عثمان بجوری لاہوریؒ
۱۳۳	رفع یدین	(عرف داتا گنج) کا امام ابوحنیفہ اور
۱۱۳	رفع یدین سے متعلق امام ابوحنیفہؒ	مذہب حنفی کے متعلق ایک خواب
۱۳۷	اور امام اوزاعیؒ کا مناظرہ	ضرورت تدوین فقہ
۱۱۵	رفع یدین نہ کرنے کے متعلق غیر	کیفیت تدوین فقہ
	مقلدین کے پیشوا مولانا ثناء اللہ	استنباط مسائل میں امام ابوحنیفہ کا
۱۳۸	امر تبری کا بیان	طریقہ
۱۳۹	آمین بالجہر	امت کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی کا
۱۴۴	آہستہ آمین کہنے کی ایک اور دلیل	پیرور رہا ہے
۱۴۵	شعبہ کی روایت کی وجہ ترجیح	ہندوپاک میں مذہب حنفی کا رائج
۱۲۰		ہونا

Dr. Manzoor Ahmed Maingal

Principal Jamia Siddiquia

P.H.D. Jamshoro University Sindh

8322 - 2870363 , 8333 - 7874023



حضرت مولانا اکرم منصور امجدی مدظلہ

ریجنل جامعہ مدنیہ

لیٹا سکاڈی سیدہ محمدی پورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى ، أما بعد !

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت و اطاعت اور مشا و مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور اس کو اپنی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے ہر زمانے میں مختلف اقوام و قبائل میں اپنے برگزیدہ بندے مبعوث فرمائے ، انبیاء و مسالین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت زمان و مکان اور اقوام کے ساتھ خاص تھی ، بلکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی بعثت تا قیامت روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف ہوئی ، حضور اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں ، قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف سلام آخری امت ہے ، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ سے حضور اکرم ﷺ کو عطا کی گئی شریعت کی تکمیل کا اعلان فرمادیا ، اس دین حسین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزاری جائے ، حضور اکرم ﷺ کی اطاعت بھی درحقیقت حسب ارشاد خداوندی ﴿من بطع الرسول فقد طاع الله﴾ ہے ، اللہ کی اطاعت ہے ، لہذا اللہ اور رسول کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرنا اور اسے مستقل بالذات مطاع سمجھنا کسی طرح بھی روا نہیں ۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن و سنت اور دین میں کچھ احکام تو ایسے ہیں جن کے سمجھنے میں عام و خاص سب یکساں ہیں ، زمان میں کوئی تبدیلی ہے ، نہ ہی ابہام و تضاد ہے ، یا احکام قرآن و حدیث سے مراد ظاہر نہیں ہیں ، بلکہ قرآن و حدیث میں بہت سارے احکام ایسے ہیں جن میں اجمال و ابہام پایا جاتا ہے ، قرآن مجید کی بعض آیات ظاہراً آسان ہیں ، مابست سے متضاد و متضاد معلوم ہوتی ہیں ، اسی طرح قرآن و سنت کی ایک ہی عبارت کی معانی مطالبہ کو مختلف ہوتی ہے ، اور ان میں بظاہر کوئی وجہ تریج بھی نہیں ہوتی ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ "الافتاح فی التعلیل والاحتجاج" (ص ۲۳۳) میں اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں : "مسائل تین قسم کے ہیں : اول وہ جن میں نصوص متعارض ہیں ، دوم وہ جن میں نصوص متعارض نہیں ، مگر وجہ متعذر ہو گئی ہوگی ، گو کہ اختلاف نظر سے کوئی معنی قریب ، کوئی بعید معلوم ہوتے ہوں ، سوم وہ جن میں متعارض بھی نہ ہو اور ان میں ایک ہی معنی ہو سکتے ہوں ، پس قسم اول میں رفع تضاد کے لئے مجتہد کو اجتہاد اور غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت ہوگی ، قسم ثانی میں اختلاف کی وجہ سے اس میں قصن احد الاحتمالات کے لئے اجتہاد و تقلید کی ضرورت ہوگی ، قسم ثالث قطعی الدلائل کہلاتی ہے ، اس میں نہ اجتہاد کو جائز کہتے ہیں ، نہ اس کی تقلید کو ۔"

مبلی اور دوسری قسم کے مسائل میں مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا اور اس کے قول کی محض حسن عقیدت کی بنیاد پر ، اس کو حق سمجھتے ہوئے بغیر دلیل کے ملاحظہ کئے ، اتباع کرنے کو "تقلید" کہتے ہیں ، مگر اس تقلید کی دوسری قسمیں ہیں : ایک تو یہ ہے کہ ایک ہی متعین امام و مجتہد پر اعتماد کر کے کسی سے تمام ضروریات دین معلوم کرے ، اس کو "تقلید فحصری" کہتے ہیں ، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایک شخص پر انحصار نہ کیا جائے ، بلکہ جس سے چاہا ہو چاہا ، اس کو "تقلید غیر فحصری" کہتے ہیں ، فحصری تقلید ﴿فمن استولوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ کے رد سے فرض ہے ، چونکہ تقلید غیر فحصری تنوع و اتباع کو ہی کی وجہ سے ناجائز ہے ، تو تقلید فحصری نامی ضروری ٹھہرے گی ، اگر کسی کی بھی اجازت نہ ہو تو مجتہد کے استعمال لازم آئے گا اور اس کا کوئی مصداق باقی نہ رہے گا ۔

حضرت شامی رحمہ اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ "مفتاح البیہد" (ص ۶۸) میں فرماتے ہیں : "کسی امام یا مجتہد کی تقلید کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسے بذات خود شریعت سلاقرار دے کہ اس کی ہر بات کو واجب اتباع سمجھا جائے ، بلکہ اس سے صرف اور صرف قرآن و سنت کی پیروی مقصود ہے ، لہذا اگر بعض پیکار و ہند کے لوگوں نے امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے علم و فہم ، ذکاوت و حافظہ دین و دینیت ، تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے ان کی بیان کی ہوئی شرح و تفسیر پر اعتنا کیا ہے ۔"

مکتوبات امام ربانی شیخ الفول حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ "اعلیٰ اسلام کا سواد اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا چہرہ ہے ، نیز یہ مذہب اپنے متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور طرز استنباط جدا گانہ طریقہ کا حامل ہے اور یہ بات بھی اس کی حقانیت کی خبر دیتی ہے ۔"

Dr. Manzoor Ahmed Maingal

Principal Jamia Siddique

P.H.D. Jamshoro University Sindh

0322 - 2870363 , 0333 - 7874023



حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل

ریجنس جامعہ صدیقیہ

لیٹریچر ڈیپارٹمنٹ، جامعہ اسلامیہ

فیوض الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ مذہبِ محمدی میں ایک بہترین طریقہ ہے، جو اس سنتِ معروف کے سب سے موافق ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں مدون و منقح ہوئی ہے۔“

تاریخِ شاہد ہے کہ جب سے تہذیب کا بنڈوٹا ہے لادھیت کا دور دورہ ہوا ہے، ہر طرف سے نئے نئے خوب زور شور سے سراٹھارہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر صلیب میں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے اور انگریز کے مہدِ خوست کی ابتدا سے ہی یہاں فتنہ و فساد کا آغاز ہوا، لادھیت، قادیانیت، پنجریہ اور بدستہن وغیرہ فتنوں نے وجود پایا، ان میں سب سے خطرناک فتنہ لادھیت کا ہے، جو سلفِ صالحین پر بداعتادی اور دین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں رخص و استرخاق کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، اس فتنے کا بانی و موجد برصغیر ہندوستان اور اس کے پیر و کاہن تہذیب کو تمام اور مشرک، مقلدین مذہبِ اربعہ کو گمراہ اور مشرک اور فتنہ کا بیج سے خارج کہتے چلے آ رہے ہیں، پہلے محمدی پھر ہالی کے نام کے ساتھ موسوم ہوئے، جہاد کی منسوخت پر کتاب لکھ کر کارِ برطانیہ سے نہ صرف انعام وصول کیا، بلکہ ان سے اپنے لئے ”اہل حدیث“ کا نام بھی الاٹ کروایا۔ انگریز حکومت کا منشا بھی یہی تھا کہ حقیقی درمیرج کے نام پر مسلمانوں میں مادر پدر آزادی، دین بیزاری، مذہبی بے ارادگی اور افتراق و تشدد کو بھادی جائے، بلکہ دکنڈو ریس کے مذہبی آزادی کے اشتہار سے ایک شرذمہ قلیلہ تہذیبِ مشرقی ترک کر کے غیر مقلد بناوا مسلمانوں کے گھروں اور مساجد میں فتنہ برپا کر دیا جس سے اہل اسلام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی بری طرح آخلاقاں کا شکار ہو کر رہ گئی۔

علمائے اہل سنت علمائے دیوبند نے دیگر فتنوں کی طرح لادھیت کے فتنے سے نہ صرف عوام کو خبردار کیا، بلکہ اس کے انسداد کے لئے دین و دہریس، ہشیانہ و تالیف اور مناظرہ کے میدان میں خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں کو بروئے کار لایا، اس علمائے حقانی کے سرخیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ جیسے اہل علم و تقویٰ تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتنہ الدین کی سخت غیر مرتقبہ سے نوازا تھا، اس طائفہ منصورہ میں جہاں ایک طرف ان حضرات کے ساتھ مولانا غلیل احمد سہارنپوری مفتی عزیز الرحمن ٹٹلی، مولانا ابوالرشاد کشمیری، مولانا عاشق علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ جیسے باہنر و درگاہِ رعشیاں کا تذکرہ آتا ہے تو دوسری طرف اسی سلسلہ الذہب کی ایک اہم کڑی مفتی عبدالرحیم صاحب لاچوری رحمہ اللہ بھی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صلیعِ سورت راندہری کی جامع مسجد میں خطیب تھے، آپ خوفِ خدا، تقویٰ، وقار، تواضع، شرافت، بردباری، سنجیدگی، دور بینی، فرض شناسی اور مہمان نوازی جیسے اہل و عہد و اخلاقِ حسنہ سے متصف تھے، فقہ و فتاویٰ کے ساتھ ایک خاص شغف تھا، آپ کے دینے ہوئے جوابات کی خوبی و خصوصیت یہ تھی کہ وہ عام فہم، مفصل ہونے کے ساتھ ساتھ دلائل اور مختلف کتب فقہ و فتاویٰ کے حوالہ جات سے مزین بھی ہوتے تھے، جس سے مستفیع کو اطمینان بخش راحت نصیب ہوتی تھی، حضرت کا ابتداء ہی سے اکابرین کی تائید و تعویب اور سرپرستی حاصل رہی، آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ جات ”فتاویٰ رحیمیہ“ کے نام سے طبع ہو کر اہل علم و افتاء سے داوحسین وصول کر چکے ہیں، ان فتاویٰ جات میں جہاں دیگر بہت سارے مسائل اور جزئیات شامل ہیں، وہاں پر اہل بدعت اور خاص کر غیر مقلدین سے متعلق بھی شاندار تحقیق موجود ہے، یہ خاص حصہ حضرت مفتی صاحب کی حیات ہی میں الگ سے ہندوستان میں شائع کیا گیا تھا، اس کے پیشِ لفظ میں حضرت فرماتے ہیں: ”تہذیب کی حقیقت، بخران و دھیرے سے اس کا ثبوت، تہذیب کی ضرورت، تہذیب سے متعلق اکابرِ علم کی تجربات، انصارِ اربعہ کی تہذیب پر امت کا اجماع، بزرگِ تہذیب کے دینی نقصانات اور تہذیب پر اشکالات کے جوابات وغیرہ کے ساتھ سب پر قدم ہوئے، الحمد للہ! اس جواب کو اہل فکر نے سراہا اور مشرور دیا کہ اس کو رسالہ کی شکل میں الگ شائع کیا جائے، تاکہ ہر کس کو تاکس کو اس سے استفادہ کا موقع ملے، انشاء اللہ تہذیب کی حقیقت سمجھنے کے لئے مفید ثابت ہوگا اور تہذیب کے خلاف جو پروپیگنڈا اور شبہات پیش کئے جاتے ہیں، ان کے ازالہ کے لئے کافی دشانی ہوگا۔“

غیر مقلدین اگر تعصب کی عینک اتار کر، کھلے دل و دماغ سے، حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی نیت سے اس کا مطالعہ کریں گے تو امید ہے کہ انہیں سلفِ بیزاری کے ادھار سے نجات مل جائے گی۔ مذکورہ کتاب کو ”تہذیبِ مشرقی کی ضرورت“ کے نام سے پاکستان میں ”بیت الاشاعت“ کے اصحاب شائع کر رہے ہیں،

Dr. Manzoor Ahmed Maingal

Principal Jamia Siddiquia

P.H.D. Jamshoro University Sindh

0322 - 2870363 , 0333 - 7974023



حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل

ریجنل چارمنر صحت

لہذا کی سی ایس ایم سی ڈی ہاؤس

اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور امت مسلمہ کے لئے نفع بخشے۔

اہل علم حضرات، طلباء و کرام اور تمام مسلمانوں سے میری گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین الطہرین۔

(مناظر اسلام، وکیل احناف، حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر منظور احمد مینگل (صاحب زید مجدہم)



۵ رمضان المبارک
۱۴۳۱ھ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي اعلى المؤمنين بكریم خطابه ورفع درجة العالمين بمعاني كتابه
وخصّ المستنبطين منهم بمزيد الاصابة وثوابه والصلاة والسلام على النبي
واصحابه والائمة المجتهدين واتباعهم وأبى حنیفة واحبابه.

اما بعد!

تقلید سے متعلق ایک استفتاء کا جواب فتاویٰ رحمیہ جلد چہارم میں شائع ہو کر منظر عام
پر آچکا ہے جس میں تقلید کی حقیقت قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت، تقلید کی ضرورت، تقلید سے
متعلق اکابر علماء کی تحریرات، ائمہ اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع، ترک تقلید کے دینی نقصانات
اور تقلید پر اشکالات کے جوابات وغیرہ کے مباحث سپرد قلم ہوئے ہیں۔ الحمد للہ اس جواب کو اہل
فکر نے سراہا اور مشورہ دیا کہ اس کو رسالہ کی شکل میں الگ شائع کیا جائے تاکہ ہر کس وناکس کو اس
سے استفادہ کا موقع ملے۔ ان شاء اللہ تقلید کی حقیقت سمجھنے کیلئے مفید ثابت ہوگا اور تقلید کے خلاف
جو پروپیگنڈہ اور شبہات پیش کئے جاتے ہیں ان کے ازالہ کیلئے کافی وشافی ہوگا۔ بزرگوں کی اس
خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کو جوابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

حق یہ ہے کہ تقلید ایک امر فطری ہے، دنیا کا کوئی کام اس کے بغیر انجام نہیں پاتا۔ ہر
ناواقف ماہر فن کے مشورے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر گامزن ہوتا ہے، پھر نہ معلوم دین
ہی کے سلسلے میں اسے کیوں غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور ترک تقلید پر زور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ
ہر دور میں محدثین عظام، علماء کبار اور مشائخ کرام نے تقلید کو اختیار کیا ہے۔ کیا یہ لوگ علم و فضل
میں ان سے بڑھ کر ہیں؟؟؟

ترک تقلید سے جو دینی نقصان ظاہر ہو رہا ہے اس کا اعتراف خود ان کے بڑوں نے کیا ہے۔
اس رسالہ میں ان کے اکابرین کی تحریرات بھی آپ کے مطالعہ میں آئیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اس حقیر سعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطاء فرمائے اور لوگوں کو صحیح بات سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور احقر کیلئے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

آمین بحرمة النبى الامى صلى الله عليه
وعلى آله واصحابه وذرياته اجمعين.
وماتوفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب

احقر

سید عبدالرحیم لاچپوری ثم راندیری غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ

بروز یکشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم تقلید شرعی کی ضرورت

سوال:

کیا فرماتے ہیں مولانا مفتی عبدول رحیم صاحب اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر بھروچ میں ایک شخص نے اہلحدیث مذہب قبول کر لیا ہے۔ اور وہ نماز میں ہر رقاعت میں رفع الیدین کرتا ہے، اور زہری نماز میں زہر سے آمین کہتا ہے، تو ہمارے خفی بھائی اس کو بدعتی کہتے ہیں۔ تو رفع الیدین کرنا اور آمین کہنا سنت ہے یا بدعت؟ برائے مہربانی سے بقاعدہ محدثین سے جواب عطا فرمائیے بحوالہ کتاب سے۔

(۲) اس اہلحدیث بھائی کا کہنا ہے کہ نماز میں رفع الیدین کرنا نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت سے ثابت ہے۔ اور یہ مسئلہ خفی مذہب کی کتاب ہدایہ جلد: ۱، ص: ۳۷۹ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر وقت تک رفع الیدین کیا ہے اور آمین بلزہر کا مسئلہ بھی ہدایہ جلد: ۱، ص: ۳۶۲ میں موجود ہے۔ تو آمین اور رفع الیدین کرنا سنت ہے یا بدعت برائے مہربانی بحوالہ کتاب جواب عطا فرمائیے۔

از بھروچ

نوٹ:

بعد از تحقیق معلوم ہوا کہ سائل خود ہی غیر مقلد بن چکا ہے اس لئے جواب میں اسی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

الجواب:-

ہمارا درو مصلاً ومصلماً وباللہ التوفیق۔

سوال کی عبارت بعینہ وہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ سائل تقلید اور مذہب خفی کو چھوڑ کر غیر مقلد (لامذہب) بن گیا ہے۔ علم کا حال یہ ہے کہ بارہ تیرہ سطر کے سوال میں بیس سے پچیس (۲۵) املاء کی غلطیاں ہیں۔ جب اردو زبان میں اُن کا منجائے علم یہ ہے کہ اردو صحیح لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا۔ تو قرآن اور احادیث کی عربی کتابیں کیا سمجھ سکتے ہیں۔

قیاس کن زنگستان من بہار مرا

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا حَقُّ الْعَوَامِ أَنْ يُؤْمِنُوا وَيَسْلُمُوا وَيَسْتَغْلُوا بِعِبَادَتِهِمْ وَمَعَايِشِهِمْ وَيَتَرَكَوْا الْعِلْمَ لِلْعُلَمَاءِ فَالْعَامِيُّ لَوْ يَزْنِي وَيَسْرِقُ كَانَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِي الْعِلْمِ فَإِنَّ مَنْ تَكَلَّمَ فِي اللَّهِ وَفِي دِينِهِ مِنْ غَيْرِ اتِّقَانِ الْعِلْمِ وَقَعَ فِي الْكُفْرِ مِنْ حَيْثُ لَا يَدْرِي كَمَنْ يَرْكَبُ لُجَّةَ الْبَحْرِ وَهُوَ لَا يَعْرِفُ السَّابِحَةَ“۔

یعنی عوام کا فرض ہے کہ ایمان و اسلام لا کر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں۔ علمی بحثوں میں مداخلت نہ کریں اس کو علماء کے حوالہ کر دیں۔ عامی شخص کا علمی باتوں میں حجت بازی کرنا، زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے، کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اُس کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر کی موجوں میں کود پڑے۔ (احیاء العلوم ص ۳۵ ج ۳)

عام مسلمانوں کو شرعی حکم معلوم کر کے ان پر عمل کرنا ضروری ہے، باریکیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض

تقلید شرعی کی ضرورت

کرنے لگا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے علمی دقائق بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سوالات کئے (۱) تو خدا کی معرفت حاصل کر چکا؟ (۲) تو نے اللہ کے کتنے حقوق ادا کئے؟ (۳) تجھے موت کا علم ہے؟ (۴) تو موت کی تیاری کر چکا؟ آخر میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم جاؤ، پہلے بنیاد مضبوط کرو۔ اس کے بعد آؤ، پھر میں تمہیں علمی دقائق بتاؤں گا۔

(جامع بیان العلم ص ۱۳۳)

اور آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے:

”اتَّخِذِ النَّاسُ رُؤْسًا جُهَالًا فَمَسْئُلُوا فَاغْبِرْ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا“۔

(مکھوۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم)

یعنی حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور ان سے مسائل دریافت کریں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(مکھوۃ شریف ص ۳۳)

ان حالات میں تقلید اور مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) چھوڑ کر غیر مقلد (لامذہب) بن جانا اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا اور مجتہدین کی تقلید کو باطل اور شرک سمجھنا اور مذاہب کا حق کو ناحق کہنا اور ائمہ دین کے متعلق کہنا کہ وہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، یہ سب باتیں حرام اور موجب گمراہی ہیں۔ ایسے لوگوں کو تو ”الاجحدیث“ کہنا بھی زیان نہیں ہے، جس طرح فرقہ ضالہ منکرین حدیث کو ”اہل قرآن“ کہنا زیان نہیں، اسی طرح مسائل کا اپنے آپ کو الاجحدیث کہنا اور کہلوانا اپنی ذات کو اور قوم کو دھوکہ دینا اور گمراہ کرنا ہے۔

غیر مقلدین کے پیشوا مولانا محمد حسین بنیالوی ”اشاعت السنۃ جلد ۱۱ شمارہ ۱۰ ص ۲۱۱“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”غیر مجتہد مطلق کیلئے مجتہدین سے فرار و انکار کی گنجائش نہیں“ اور اسی اشاعت السنۃ کے جلد ۱۱ شمارہ ۱۱ ص ۵۳ میں وضاحت فرماتے ہیں:

”پچیس (۲۵) برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے، اور احکام

شریعت سے فسق و فجور تو اس آزادی (غیر مقلدیت) کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ان فاسقوں میں سے بعض تو کھلم کھلا جہم، جماعت اور نماز روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود، شراب سے پرہیز نہیں کرتے، اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، کفر و ارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔“

(بحوالہ سبیل الرشاد ص ۱۰ اور کلمۃ الفصل ص ۱۰۷ اور تقلید ائمہ ص ۱۶۷۔ ۱۷۰ مولانا سلیمان بنعلیل)

اسی طرح فرقۃ الہدیث کے مجدد و جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اپنی جماعت الہدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”فقد نسبت فی هذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء تدعى انفسها علم الحديث والقرآن والعمل والعرفان“.

(المجلد فی ذکر صحاح السنۃ ۶۷-۶۸)

یعنی اس زمانے میں ایک فرقہ شہرت پسند، ریاکار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لئے قرآن و حدیث پر علم و عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کو علم و عمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

آگے اسی مضمون کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”فيا للعجب ان يسموا انفسهم الموحدين المخلصين وغيرهم بالمشرکين وهم اشد الناس تعصبا وغلوا في الدين“.

یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحّد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں۔

پھر اسی مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں:

”فما هذا دين إلا فتنة في الارض وفساد كبير“.

یعنی یہ طریقہ (جو غیر مقلدین کا ہے) کوئی دین نہیں، یہ تو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم ہے۔

(بحوالہ تقلید النہج ص ۷۷-۱۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ”عقد الجید“ میں فرماتے ہیں:

”باب تاکید الأخذ بالمذاهب الاربعة والتشديد في تركها والخروج عنها، اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة“.

ترجمہ: باب سوم

ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے کی تاکید میں اور ان کے چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت شدیدہ کے بیان میں۔

اعلم: جاننا چاہئے کہ ان چار مذاہب کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض و رد گردانی کرنا بڑا مفسدہ ہے۔

(عقد الجید مع سلک المرارید ص ۳۱)

اور اسی کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

”وثنانيا قال رسول الله ﷺ اجتمعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقّة“
کان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم“

ترجمہ: اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ کہ رسول خدا نے فرمایا ہے: کہ سوادِ اعظم یعنی بڑے معظم جگت کی پیروی کرو۔ اور چونکہ سوائے ان چاروں مذاہب کے اور مذاہب باقی نہیں رہے تو انکی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے اور ان سے باہر نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے۔ (جس میں رسول اللہ کی ہدایت اور تاکید کی ارشاد کی خلاف ورزی لازم آتی ہے)۔

(عقد الجید مع سلک مرورید ص ۳۳)

ملاحظہ فرمائیے! حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مذاہب اربعہ کے مقلدین کو سوادِ اعظم فرما رہے ہیں اور عامی غیر مقلد کو سوادِ اعظم سے خارج بتلا رہے ہیں۔ اس لئے جو لوگ

تقلید شرعی کی ضرورت

ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے وہ شتر بے مہار کی طرح ہیں اور درحقیقت وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

”اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ“.

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۶۔ مجمع بحار الانوار ص ۱۴۳/ج ۳)

دوسری حدیث

میں ہے: ”علیکم بالجماعة“

تم پر ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہو۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۶)

تیسری حدیث

میں ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ“.

اللہ تعالیٰ میری امت کو ضلالت اور گمراہی پر اکٹھا نہیں کریگا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۶)

چوتھی حدیث:

”لَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ“^(۱).

ترجمہ: میری امت (کے علماء و صلحاء) کبھی بھی گمراہی پر متفق نہیں ہوں گے۔

پانچویں حدیث:

”يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ“.

یعنی (جس مسئلہ میں مسلمانوں میں اختلاف ہو جائے تو جس طرف علماء و صلحاء کی اکثریت ہو ان کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ۔ اس لئے کہ) جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ یعنی اس کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔ اور جو ان سے الگ رہا (اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی) وہ جہنم میں تنہا ڈالا جائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۶)

(۱) قال البخاري رحمه الله تعالى: وبالجمله فهو حديث مشهور المتن، ذو أسانيد كثيرة وشواهد متعددة في المرفوع وغيره.

(القاصد الحسنة ص ۴۶۰)

چھٹی حدیث:

”اِنَّ الشَّيْطَانَ ذَنْبَ الْاِنْسَانِ كَذَبَ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَةَ وَالْقَاسِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ
وَاَيَاكُمْ وَالشَّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَةِ“.

شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے جس طرح کہ بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے (اور وہ) ایسی بکریوں کو
پھاڑتا کھاتا ہے جو ریوڑ سے نکل کر الگ پڑ گئی ہوں۔ یا چرتے چرتے دور نکل گئی ہوں۔ یا جو غفلت
کی وجہ سے ایک کنارے رہ گئی ہوں۔ (اسی طرح تم بھی اپنے کو جماعت سے الگ ہونے سے
بچاؤ) اور جماعتِ عامہ (سوادِ اعظم) میں اپنے کو شامل رکھو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۱)

ساتویں حدیث:

”مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ“.
جس نے ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی (یعنی چند مسائل میں قلیل
مدت کیلئے بھی ان سے علیحدگی اختیار کی) تو بے شک اس نے اپنی گردن میں سے اسلام کی رسی
نکال ڈالی۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۱)

آٹھویں حدیث:

”اِنَّ اِنْسَانَ خَيْرٍ مِنْ وَاحِدٍ وَثَلَاثَةِ خَيْرٍ مِنْ اِثْنَيْنِ وَارْبَعَةُ خَيْرٍ مِنْ ثَلَاثَةِ فَعَلِيكُمْ
بِالْجَمَاعَةِ“.

یعنی دو ایک سے بہتر ہیں۔ تین دو سے بہتر ہیں اور چار تین سے بہتر ہیں (جب یہ فضیلت ہے)
تو جماعت کو لازم پکڑے رہو (یعنی ان میں شامل ہو جاؤ) اس لئے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو ہدایت
پر ہی متفق کرتا ہے۔

(موائد العوائد ص ۱۲۲)

نویں حدیث:

”مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَمَاتَ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً“.

ترجمہ: جو جماعت سے نکل گیا اور جماعت سے جدا رہتے ہوئے مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔
(نسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

دسویں حدیث:

”ما راہ المسلمون حسناً فهو عند الله حسن“.

ترجمہ: جس معاملے کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہتر ہے۔

(احمدی کتاب السنۃ بحوالہ المقاصد الحسنیہ ص ۳۶۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ جو اپنے دور کے بلند پایہ محدث، بے مثال فقیہ، زبردست اصولی، جامع المعقول والمقول اور مجتہد تھے۔ جن کو غیر مقلدین کے پیشوا مولانا صدیق حسن خان صاحب بھی رئیس المجتہدین اور پیشوا تسلیم کرتے تھے اور آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگر وجود او در صدرِ اول در زمانہ ماضی بود امام الائمہ بود و تاج السعادتین شہرہ می شود“

ترجمہ: اگر شاہ صاحب کا وجود صدر اول (پہلے زمانے) میں ہوتا تو اماموں کے امام اور مجتہدین کے سردار شمار ہوتے۔

اتنے بلند پایہ عالم تقلید کے متعلق کیا فرماتے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے:

”لأن الناس لم يزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت المذاهب الاربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير تكبر من احد يعتبر انكاره ولو كان ذلك باطلاً لا نكره“.

ترجمہ: کیونکہ صحابہؓ کے وقت سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا جو عالم مجتہد مل جاتا اس کی تقلید کر لیتے۔ اس پر کسی بھی معتد شخصیت نے تکبر نہیں کی۔ اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات (صحابہؓ و تابعینؓ) ضرور تکبر فرماتے۔ (عقد الجدید مع سلک مروارید ص ۲۹۶)

نیز آپ رحمہ اللہ امام بغوی رحمہ اللہ کا قول بطور تائید نقل فرماتے ہیں:

”و یجب علی من لم یجمع هذه الشرائط تقلیده فیما یعن له من الحوادث“۔
ترجمہ: اور اُس شخص پر جو ان (اجتہادی) شرائط کا جامع نہیں اس پر کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے ان حوادث (مسائل) میں جو اس کو پیش آویں۔
(عقد الجدید ص ۹۶)
اور فرماتے ہیں:

”وفی ذلک (أی التقلید) من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه الأيام الّتی قصرت فیہ الهمم جدّاً وأشربت النفوس الهوی و اعجب کلّ ذی رأی برأیه“۔
ترجمہ: اور اس میں (یعنی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے میں) بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں، خاص کر اس زمانے میں جبکہ ہمتیں بہت پست ہو گئی ہیں اور نفوس میں خواہشات نفسانی سرایت کر گئی ہیں اور ہر رائے والا اپنی رائے پر ناز کرنے لگا ہے۔

(خیر اللہ البالغہ مترجم ص ۳۶۱-ج ۲)

اور فرماتے ہیں:

”وبعد المآتین ظهرت فیہم التّمدّہب للمجتہدین بأعیانہم وقلّ من کان لا یعتمد علیٰ مذهب مجتہد بعینہ وکان هذا هو الجواب فی ذلک الزمان“۔
ترجمہ: اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں (یعنی عموماً تقلید شخصی کا رواج ہو گیا تھا) اور یہی طریقہ اس وقت رائج تھا۔
(انصاف مع ترجمہ کشاف ص ۵۹)
اور فرماتے ہیں:

”وهذه المذاهب الاربعہ المدوّنة المحرّرة قد اجتمعت الامة أو من یعتدّ بہا منها علیٰ جواز تقلیدہا الیٰ یومنا هذا“۔

ترجمہ: اور یہ مذاہب اربعہ جو مدوّن مرتّب ہو گئے ہیں، پوری امت نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ (مشہورہ) کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے (اور یہ اجماع) آج

تک باقی ہے۔ (اس کی مخالفت جائز نہیں بلکہ موجب گمراہی ہے)۔

(تجۃ اللہ بالحدیث ص ۳۶۱-ج ۱)

اور فرماتے ہیں:

”وبالجملة فالتمذهب للمجتہدین سرّاً اللهم الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حیث يشعرون أو لا يشعرون“.

ترجمہ: الحاصل ان مجتہدین (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) میں سے کسی ایک کے مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا ہے اور اس پر ان کو متفق کیا ہے، وہ تقلید کی مصلحت کو جانیں یا نہ جانیں (یعنی تقلید کی حکمت اور خوبی ان کو معلوم ہو یا نہ ہو)۔

(انصاف عربی ص ۴۷-انصاف مع کشف ص ۶۳)

اور فرماتے ہیں:

”انسان جاهل فی بلاد الهند وبلاد ماوراء النهر ولس هناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذہب ابی حنیفہؒ ویحرم علیه ان یشترک من مذہبه لانه حینئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویقی سدی مهملاً“.

ترجمہ: کوئی جاہل عامی انسان ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو (کہ جہاں مذہب حنفی پر زیادہ تر عمل ہوتا ہے) اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو، تو اس پر واجب ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مذہب کی تقلید کرے۔ اور اس پر حرام ہے کہ حنفی مذہب کو ترک کر دے اس لئے کہ اس صورت میں شریعت کی رشتی اپنی گردن سے نکال پھینکتا ہے اور مبہمل اور بے کار بن جاتا ہے۔

(انصاف عربی ص ۵۳-مع ترجمہ کشف ص ۷۰-۷۱)

اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو باوجود مجتہد ہونے کے آنحضرت ﷺ کی جانب سے تقلید پر

تقلید شرعی کی ضرورت

ماصور کیا گیا اور دائرہ تقلید سے خروج کی ممانعت کی گئی۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

”وَاسْتَفِدْتُ مِنْهُ ﷺ ثَلَاثَةَ أُمُورٍ خِلَافَ مَا كَانَ عِنْدِي وَمَا كَانَتْ طَبِيعَتِي تَمِيلُ إِلَيْهِ أَشَدَّ مِيلٍ فَصَارَتْ هَذِهِ الْإِسْتِفَادَةُ مِنْ بَرَاهِينِ الْحَقِّ تَعَالَى عَلَيْهِ. أَلِي قَوْلُهُ.

وَتَانِيَهُمَا الْوَصَاةُ بِالتَّقْلِيدِ بِهَذِهِ الْمَذْهَبِ الْارْبَعَةِ لَا اخْرَاجَ مِنْهَا“ الخ

ترجمہ: مجھے آنحضور ﷺ کی جانب سے ایسی تین باتیں حاصل ہوئیں کہ میرا خیال ان سے موافق نہ تھا، اور اس طرف قلبی میلان بالکل نہ تھا، یہ استفادہ میرے اوپر برہان حق ہو گیا۔ ان تین امور میں سے دوسری بات یہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ جاؤں۔

(فیوض الحرمین ص ۶۴-۶۵ مطبوعہ مکتب خانہ رحمیہ دیوبند)

اور فرماتے ہیں:

”وَعَرَفَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ فِي الْمَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ طَرِيقَةً أَيْقَنُ هِيَ أَوْفَقُ الطَّرِيقِ بِالسَّنَةِ الْمَعْرُوفَةِ الَّتِي جُمِعَتْ وَقِيلَتْ فِي زَمَانِ الْبُخَارِيِّ وَاصْحَابِهِ“.

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اُس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی۔ (فیوض الحرمین ص ۴۸)

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ فرامین عالیہ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) صحابہؓ اور تابعینؓ کے مبارک زمانہ میں نفس تقلید کا رواج و دستور بلا خلاف جاری و ساری

تھا۔

(۲) مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کا اتباع سوا اِکْظَم کا اتباع ہے۔ (جو از روئے

حدیث واجب ہے) اور مذاہب اربعہ کے دائرہ سے خروج سوا اِکْظَم سے خروج ہے (جو گمراہ کن

ہے)۔

(۳) دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی (مذہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید) کی ابتدا ہو چکی تھی۔

(۴) مذہب اربعہ میں سے ایک مذہب کی تقلید یعنی تقلید شخصی منجانب اللہ ایک الہامی راز ہے۔

(۵) مذہب اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے۔

(۶) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

(۷) تقلید شخصی میں دینی مصالح و فوائد ہیں۔

(۸) مجھے مذہب اربعہ کے دائرہ میں رہنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔

(۹) مذہب حنفی مطابق سنت ہے اس کی شہادت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

(۱۰) عوام (غیر مجتہد) کیلئے تقلید چھوڑنا حرام ہے، بلکہ دائرہ اسلام سے نکل جانے کا پیش خیمہ

ہے (جس کا اعتراف انھیں کے جماعت کے پیشوا مولانا محمد حسین بنالویؒ نے کیا ہے) جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

غیر مقلدین کی دھوکہ دہی سے عوام الناس اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ محدثین انہیں کے طبقہ خاص سے تعلق رکھتے تھے (یعنی غیر مقلد تھے) اور یہ حضرات مذہب اربعہ میں سے کسی کے پابند نہ تھے۔ حالانکہ یہ بات سرتاسر غلط ہے۔ تمام محدثین عظام سوائے معدودے چند کے سب مقلد تھے۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ باوجود مجتہد ہونے کے صحیح قول کے مطابق مقلد تھے اور شافعی تھے۔ غیر مقلدین کے پیشوا جناب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ بھوپالی نے اپنی کتاب ”السطحۃ فی ذکر صحاح السنۃ“ میں تحریر کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو امام ابو عاصم رحمہ اللہ نے جماعت شافعیہ میں ذکر کیا ہے:

”وقد ذكره ابو عاصم في طبقات اصحابنا الشافعية نقلاً عن السبكي“.

اور اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۷ فصل نمبر ۶ میں امام نسائی رحمہ اللہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”وكان احد اعلام الدين واركان الحديث امام اهل عصره ومقدمهم بين

اصحاب الحدیث و جرحہ و تعدیلہ معتبر بین العلماء و کان شافعی المذہب۔
یعنی امام نسائی رحمہ اللہ دین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ، حدیث کے ارکانوں میں سے،
ایک رکن، اپنے زمانے کے امام اور محدثین کے پیشوا تھے، ان کی جرح و تعدیل علماء کے یہاں معتبر
ہے اور آپ شافعی المذہب تھے۔
(ہلہ ص ۱۲۷)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”فقیل حنبلی و قیل شافعی“۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ حدیث اور علل حدیث کے حافظ، تقویٰ و پرہیزگاری، علم و فقہ، صلاح
و اتقان میں عالی مقام رکھتے تھے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ آپ رحمہ اللہ شافعی تھے یا حنبلی؟
بعض حنبلی کہتے ہیں اور بعض شافعی۔
(ص ۱۳۵ الحلی فی ذکر صحاح الستہ)

اس کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ، امام دارقطنی رحمہ
اللہ، امام ابن ماجہ رحمہ اللہ یہ سب مقلد تھے۔ اور صحیح قول کے مطابق شافعی تھے۔ امام یحییٰ ابن معین
رحمہ اللہ، محدث یحییٰ ابن سعید القطان رحمہ اللہ، محدث یحییٰ بن ابی زائدہ رحمہ اللہ، محدث و کعب بن
جرّاح رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ، امام زبیلی رحمہ اللہ یہ سب مقلد تھے اور حنفی تھے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، ابن جوزی رحمہ اللہ، شیخ عبدالقادر جیلانی
رحمہ اللہ یہ حنبلی تھے۔

کیا ان محدثین عظام و علمائے کبار کو یہ معلوم نہ تھا کہ تقلید شرک، بدعت اور حرام ہے۔ حنفی،
مالکی، شافعی اور حنبلی ہونا ناجائز اور بدعت ہے۔ غرض سوائے معدودے چند (داؤد ظاہری، ابن
حزم وغیرہ) کے تمام محدثین، علماء، مشائخ، عارفین ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کرتے آئے ہیں۔

ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے کہ جس قدر علماء کبار، مشائخ عظام، اور اولیائے کرام گزرے
ہیں وہ سب تقلید کے پابند تھے اور تقریباً سب ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد تھے۔

مثلاً شیخ علی متقی رحمہ اللہ صاحب کنز العمال المتوفی ۹۷۵ھ، شیخ عبدالاول جو پوری رحمہ اللہ
صاحب فیض الباری شرح بخاری، شیخ عبدالوہاب برہان پوری رحمہ اللہ متوفی ۱۰۰۰ھ، شیخ محمد طاہر
پٹنی گجراتی رحمہ اللہ صاحب مجمع البحار متوفی ۹۸۷ھ، محدث ملا جیون صدیقی رحمہ اللہ متوفی

۱۱۳۰ھ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ صاحب اشعۃ اللمعات متوفی ۱۰۵۲ھ، پھر ان کی اولاد میں محدث شیخ نورالحق رحمہ اللہ، صاحب تیسیر القاری فارسی شرح بخاری متوفی ۱۰۷۳ھ، محدث شیخ فخر الدین رحمہ اللہ شارح بخاری و شارح حصین، شیخ الاسلام محدث شیخ سلام اللہ رحمہ اللہ شارح موطا مسکن بہ محلی متوفی ۱۲۳۹ھ، شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۷۶۱ھ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۹ھ، شاہ عبدالقادر محدث و مفسر قرآن دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۲ھ، شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۹۶ھ، شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۶۲ھ، شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ متوفی ۱۲۶۶ھ، شاہ قطب الدین رحمہ اللہ صاحب مظاہر حق متوفی ۱۲۸۹ھ، شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۳ھ، شاہ محمد یعقوب محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۸۲ھ، قاضی محبت اللہ بہاری رحمہ اللہ متوفی ۱۱۱۹ھ جنہوں نے ۱۱۰۹ھ میں اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت تصنیف فرمائی، محدث کبیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۲۵ھ، الشیخ الامام العلما نور الدین احمد آبادی رحمہ اللہ گجراتی حنفی صاحب نور القاری شرح بخاری متوفی ۱۱۵۵ھ، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی حنفی متوفی ۹۹۸ھ، محدث مفتی عبدالکریم نہروانی گجراتی رحمہ اللہ صاحب نہر الجاری شرح بخاری متوفی ۱۰۴۱ھ، الشیخ المحمّد محی الدین عبدالقادر احمد آبادی گجراتی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۳۸ھ، الشیخ المحمّد خیر الدین بن محمد زاہد السورتی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۰۶ھ، بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی رحمہ اللہ صاحب شرح مسلم الثبوت وغیرہ متوفی ۱۲۲۵ھ، جامع معقول و منقول ابو الحسنات علامہ عبدالحق لکھنوی رحمہ اللہ صاحب تصانیف کثیرہ متوفی ۱۳۰۴ھ، محدث مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ محشی بخاری متوفی ۱۲۹۷ھ، متکلم اسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دار العلوم دیوبند متوفی ۱۲۹۸ھ، فقیہ لا ثانی، محدث کبیر، عارف باللہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۲۳ھ، مولانا محمد یعقوب نانوتوی محدث دی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۰۲ھ، محدث مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۱۷ھ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۹ھ، المحمّد الکبیر، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ متوفی ۱۳۵۲ھ، محدث مولانا غلیل احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ صاحب بذل المجہود شرح ابوداؤد متوفی ۱۳۴۶ھ، محدث مولانا فتیمہ احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب فتح

المہم شرح صحیح مسلم متوفی ۱۳۶۹ھ وغیرہ وغیرہ۔

علماء سندھ:

محدث شیخ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۸۷ھ، شیخ ہاشم سندھی رحمہ اللہ، ابوالطیب سندھی متوفی ۱۱۴۰ھ، شیخ محمد معین سندھی متوفی ۱۱۸۰ھ، شیخ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۷۵ھ، شیخ حیات سندھی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۶۳ھ وغیرہ جنہوں نے صحاح ستہ اور کتب حدیث پر حواشی لکھے اور مدینہ منورہ جا کر حدیث کا درس دیا۔

اولیاء ہند:

امام ربانی شیخ سید احمد مجتہد والف ثانی نقشبندی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۰۹ھ، محدث عارف باللہ مرزا مظہر جان جاناں متوفی ۱۱۹۵ھ، اولیاء ہند کے سر تاج خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ متوفی ۶۳۲ھ یا ۶۳۳ھ یا ۶۳۶ھ یا ۶۳۷ھ، خواجہ قطب الدین، مختیار کاکی رحمہ اللہ متوفی ۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ، خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ متوفی ۶۶۴ھ یا ۶۶۸ھ، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ ۷۳۵ھ، خواجہ علاء الدین صابری کلیری رحمہ اللہ متوفی ۶۹۰ھ وغیرہ وغیرہ ہزار ہا محدثین و مفسرین، فقہاء، مشائخ مقلدین گزرے ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”زہد الخواطر، حدائق خفیہ، انوار الباری کے مقدمہ کا حصہ دوم، تذکرہ محدثین“۔

ائمہ اربعہ کی تقلید اور تقلید کا ائمہ اربعہ میں منحصر ہو جانا اور جمہور اہل سنت والجماعت کا مذاہب اربعہ میں مجتمع ہونا خدا کی نعمت عظمیٰ ہے۔ ہر زمانہ میں محدثین اور علماء حقہ اس کی تصریح کرتے رہے ہیں کہ جو تقلید کا منکر ہو اور غیر مقلد بن کر شتر بے مہار کی طرح زندگی بسر کرتا ہو اور اپنی خواہشات پر عمل پیرا ہو وہ اہل بدعت میں سے ہے، اہل سنت میں سے نہیں، شیعہ تقلید ائمہ اربعہ کے منکر ہیں اور مذاہب اربعہ کو بدعت کہتے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی ان کے نقش قدم پر چل کر تقلید کو بدعت و شرک کہتے ہیں۔

(غیر مقلدین) اور بھی دیگر مسائل میں شیعہ اور روافض کے ہم مشرب ہیں مثلاً روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو معیار حق تسلیم نہیں کرتے، اسی طرح غیر مقلدین بھی صحابہ کے

معیارِ حق ہونے کے منکر ہیں۔ روافض ایک مجلس کی طلاق ثلاثہ کے وقوع کو تسلیم نہیں کرتے، اسی طرح غیر مقلدین بھی ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کے وقوع کے منکر ہیں۔ روافض نے بیس (۲۰) رکعت تراویح کو بدعت کہا تو غیر مقلدین بھی بیس (۲۰) رکعت تراویح کو بدعتِ عمری کہتے ہیں۔ روافض جمعہ کے دن اذانِ اول کو جو منارہ پر دیتا ہے، بدعت کہتے ہیں، اسی طرح غیر مقلدین بھی اس اذان کو بدعتِ عثمانی قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں عورتوں کی آزادی و بے احتیاطی دیکھی تو صحابہؓ کے مشورہ سے عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا فیصلہ فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر حضور اکرم ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے تو وہ خود بھی روک دیتے۔ اس فیصلہ کو شیعہ و روافض نے قبول نہیں کیا، اسی طرح غیر مقلدین نے بھی منظور نہیں کیا۔ (واللہ اعلم)

غرض سوائے شیعہ اور چند علماء غیر مقلدین کے تقریباً تمام ہی علماء نے تقلید کو ضروری قرار دیا ہے اور اپنی اپنی تصانیف میں اس پر بحث کی ہے۔ چنانچہ شرح مسلم الثبوت میں ہے:

”بل یجب علیہم اتباع الذین سبوا ای تعمقوا وبوبوا ای اوردوا ابواباً لكل مسئلة علیحدة فہذبوا مسئلة كل باب ونقحوا كل مسئلة عن غیرها وجمعوا بینہما بجامع وفرقوا بفارق وعللوا ای اوردوا لكل مسئلة علته وفصلوا تفصیلاً وعلیہ بنی ابن الصلاح منع تقلید غیر الائمة الاربعة الامام الہمام امام الائمة امامنا الکوفی رحمہ اللہ. والامام مالک رحمہ اللہ والامام الشافعی رحمہ اللہ والامام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ وجزاہم عنا احسن الجزاء لان ذلك المذكور لم یدر فی غیرہم“.

ترجمہ: بلکہ ان عوام پر ان حضرات کی پیروی اور اتباع واجب ہے جنہوں نے نظرِ عمیق سے کام لیا اور ابواب قائم کر کے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب باب میں درج کیا اور ہر مسئلہ کی تنقیح اور چھان بین کی اور جمع کیا اور تفریق کی (یعنی ہر مسئلہ کو جمع کیا اور ہر مسئلہ کو دوسرے سے جدا کیا) اور ہر مسئلہ

تقلید شرعی کی ضرورت

کی علت بیان کی اور پوری پوری تفصیل بیان کی۔ یہ بات تفصیلی طور پر صحابہؓ کے اقوال میں نہیں ہے۔ اس لئے عوام کیلئے عمل کرنا مشکل ہوتا ہے اور وہ مغالطہ میں پڑ جائیں گے۔ بناء علیہ اصول حدیث کے واضع محدث یگانہ علاء مد ابن صلاح رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ کے سوا دوسروں کی تقلید کی ممانعت فرمائی کہ امور مذکورہ مذاہب اربعہ کے سوا اور کسی مذہب میں موجود نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان ائمہ اربعہ کو ہم سب کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

(فوائد الرحوت شرح مسلم الثبوت للعلامة بحر العلوم رحمہ اللہ متوفی ۱۲۲۵ھ ص ۶۲۹)

علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ متوفی ۷۶۰ھ ”الاشاہ والنظار“ میں ارقام فرماتے ہیں:

”وما خالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع“

یعنی (کسی شخص کا) کوئی فیصلہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہو تو وہ اجماع کے خلاف ہے۔ (اس لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔)
(ص ۱۳۱)

حافظ حدیث علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ متوفی ۸۶۱ھ نے ”التحریری فی أصول الفقه“ میں تصریح فرمائی ہے:

”وعلى هذا ما ذكر بعض المتأخرين منع تقليد غير الاربعة لانضباط مذاہم وتقليد مسائلہم وتخصيص عمومہا ولم يدر مثله في غيرہم الآن لانقراض اتباعہم وهو صحيح“۔

یعنی اسی بنیاد پر بعض متأخرین نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہے نہ کہ دوسرے ائمہ کی، اس لئے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب مکمل منضبط ہو گئے ہیں اور ان مذاہب میں مسائل تحریر میں آچکے ہیں اور دوسرے ائمہ میں یہ چیزیں نہیں ہیں اور ان کے متبعین ختم ہو چکے ہیں۔ اور تقلید کا ان چار اماموں میں منحصر ہو جانا صحیح ہے۔
(التحریر ص ۵۵۲)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاذ علامہ، زبردست فقیہ، اصولی، جامع المعقول والمنقول شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۳۰ھ) ”تفسیرات احمدیہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”قد وقع الاجماع على ان الاتباع انما يجوز للاربع... الى قوله... وكذا لا

يجوز الاتباع لمن حدث مجتهداً مخالفاً لهم“

یعنی اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے کہ اتباع (تقلید) صرف ائمہ اربعہ ہی کی جائز ہے، اسی بناء پر جو مجتہد (اس زمانہ میں) نیا پیدا ہو، اور اس کا قول ان ائمہ اربعہ کے خلاف ہو تو اس کی اتباع بھی جائز نہیں۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۳۴۶، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

چند سطروں کے بعد مزید توضیح فرماتے ہیں:

”والا نصاب ان انحصار المذاهب في الاربعة واتباعهم فضل الهی وقبولیة من

عند الله لا مجال فيه للتوجهات والادلة“.

یعنی انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہو جانا اور ان ہی چار مذاہب کی اتباع کرنا فضل الہی ہے اور منجانب اللہ قبولیت ہے۔ اس میں دلائل اور توجہات کی حاجت نہیں ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۴۶، داؤد و سلیمان اذیحکمان فی الحرث آیت کے ماتحت، سورۃ انبیاء پ ۱۷)

اور مشہور محدث و مفسر و فقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۲۵ھ ”تفسیر مظہری“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”فان اهل السنة والجماعة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة

المذاهب ولم يبق في فروع المسائل سوى هذه المذاهب الاربعة فقد انعقد الا

جماع المركب على بطلان قول من يخالف كلهم وقد قال الله تعالى ومن يتبع

غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم“.

یعنی تیسری یا چوتھی صدی کے بعد فروعی مسائل میں اہل سنت والجماعت کے چار مذاہب رہ گئے،

کوئی پانچواں مذاہب باقی نہیں رہا، پس گویا اس امر پر اجماع ہو گیا کہ جو قول ان چاروں کے خلاف

ہو تو وہ باطل ہے، اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے ”اور جو شخص مؤمنین (یعنی اہل سنت والجماعت) کا

راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو لے گا تو ہم اس کو وہ جو کچھ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم

میں داخل کر دیں گے۔“

(تفسیر مظہری ص ۶۴ ج ۲ سورہ آل عمران پ راتحت الآیۃ ولا یَتَّخِذْ بَعْضُنَا اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ)
امام ابراہیم سرخسی مالکی مرعی رحمہ اللہ ”الفتوحات الوہبیۃ شرح اربعین نوویۃ“ میں
تحریر فرماتے ہیں:

”امّا فیما بعد ذالک کما قال ابن الصلاحؒ فلا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة
مالکؒ وابی حنیفہؒ والشافعیؒ واحمدؒ لأن هؤلاء عرفت قواعد مذاہبہم
واستقوت احکامہا وخدمہا تابعوہم وحرروہا فرعاً فرعاً حکماً و حکماً“.

یعنی اس زمانہ کے بعد (صحابہؓ کے دور کے بعد) جیسا کہ ابن صلاح رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے۔
ائمہ اربعہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ رحمہم اللہ کے سوا کسی کی تقلید
جائز نہیں، اس لئے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے قواعد معروف ہیں اور ان کے احکام مستقر ہو چکے
ہیں اور ان حضرات کے خدام نے ان کے بعد ان مذاہب کی خدمت کی ہے (اور چار چاند لگائے
ہیں) اور تمام احکام کو فرعاً فرعاً لکھ دیا گیا ہے اور ہر ایک کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔

(الفتوحات الوہبیۃ ص ۱۹۹)

محدث ابن حجر مکی متوفی ۸۵۲ھ ”فتح البین فی شرح الاربعین“ میں فرماتے ہیں:

”امّا فی زماننا فقال ائمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة الشافعیؒ ومالکؒ
وابی حنیفہؒ واحمدؒ رضوان اللہ علیہم اجمعین“.

یعنی ہمارے زمانہ میں ائمہ مشائخؒ کا یہی قول ہے کہ ائمہ اربعہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام
ابوحنیفہؒ اور امام احمد رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی تقلید جائز ہے، ان کے علاوہ کسی اور امام کی
جائز نہیں۔ (ص ۱۹۶)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمہ اللہ کتاب ”راحت القلوب“
میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ ”حضرت خواجہ سید العابدین زبدۃ العارفین، فرید الحق والشرع شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے بتاریخ

۱۱ ماہ ذی الحجہ ۱۵۵ھ میں فرمایا کہ ہر چار مذہب برحق ہیں لیکن بالیقین جانا چاہئے کہ مذہب امام اعظم کا سب سے فاضل تر ہے اور دوسرے مذہب ان کے پس رو ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ افضل المتقدمین ہیں اور الحمد للہ کہ ہم ان کے مذہب میں ہیں۔ (بحوالہ حدائق حنفیہ ص ۱۰۴)

علامہ جلال الدین مغلّی رحمہ اللہ ”شرح جمع الجوامع“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين“.

یعنی واجب ہے عامی اور غیر عامی پر جو کہ درجہ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو۔ مجتہدین کے مذاہب میں سے ایک مذہب معین کو عمل کیلئے اپنے اوپر لازم کر لینا۔

(بحوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقاہ ص ۱۰۶)

شارح مسلم شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ ”روضۃ الطالبین“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اما الاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتى اوجوا تقليد واحد من هؤلاء على الأمة ونقل امام الحرمين الاجماع عليه“.

یعنی اجتہاد مطلق کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا شیخ کہ ان تمام مقتدر و محققین علماء نے ان چاروں میں سے ایک ہی امام کی تقلید کو ائمتہ پر واجب فرمایا ہے، اور امام الحرمین نے اس پر (ائمہ اربعہ کے تقلید کے واجب ہونے پر) اجماع نقل کیا ہے۔

(بحوالہ نور الہدایہ ص ۱۰۶)

”نہایہ المراد شرح مقدّمہ ابن عماد“ میں ہے:

”وفى زماننا هذا قد انحصرت صحّة التقليد فى هذه المذاهب الاربعة... الى قوله... ولا يجوز اليوم تقليد غير الائمة الاربعة فى قضاء ولا افتاء“.

یعنی ہمارے اس زمانہ میں تقلید ان مذاہب اربعہ میں منحصر ہو گئی ہے اور آج ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور امام کی تقلید جائز نہیں ہے نہ تو قاضی کو اختیار ہے کہ مذاہب اربعہ سے ہٹ کر فیصلہ کرے اور نہ مفتی مجاز ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دے۔

(بحوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقاہ ص ۱۵۷)

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ ”میزان الشریعۃ الکبریٰ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وكان سيد الخواص رحمه الله تعالى اذا سأله انسان عن التقليد بمذهب معين
الآن هل هو واجب ام لا؟ يقول له يجب عليك التقليد بمذهب ما دامت لم
تصل الى شهود عين الشريعة الاولى من الوقوع في الضلال وعليه عمل الناس
اليوم“.

یعنی میرے سردار علی خاں رحمہ اللہ سے جب پوچھا جاتا کہ اس وقت مذہب معین کی تقلید واجب
ہے یا نہیں؟ تو فرماتے کہ تجھ پر مذہب معین کی تقلید واجب ہے جب تک تجھے کمال ولایت و نظر
کشف و شہود سے مرعہ اجتہاد حاصل نہ ہو، اس وقت تک معین امام کے دائرہ تقلید سے قدم باہر نہ
نکالنا (کہ یہ موجب گمراہی ہے) اور اسی پر آج لوگوں کا عمل ہے۔ (میزان کبریٰ)

مشہور فقیہ قرآن و حدیث کے ماہر سید احمد طحاوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۳ھ فرماتے ہیں:

”فعليكم يا معشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة
والجماعة فان نصر الله في موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته في مخالفتهم
وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الاربعة هم الحنفيون
والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة
في ذلك الزمان فهو اهل البدعة والنار“.

یعنی اے گروہ مسلمانان! تم پر نجات پانے والے فرقہ کی جو اہل سنت والجماعت کے نام سے
موسوم ہے پیروی کرنا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل سنت والجماعت کے ساتھ
موافقت کرنے میں ہے اور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرنے میں اپنی ذات کو خدا تعالیٰ کے
غضب اور ناراضگی کا مورد بنانا ہے (اللہ اپنی پناہ میں رکھے) اور یہ نجات پانے والا گروہ (یعنی اہل
سنت والجماعت) آج مجتمع ہو گیا ہے چار مذاہب میں، اور وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ اور جو
شخص اس زمانہ میں ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت اور اہل نار میں سے ہے۔

(طحاوی علی الدر المختار ص ۱۵۳ ج ۴، کتاب الذبايح)

تقلید شرعی کی ضرورت

حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سوالِ شصت ویکم! مذاہبِ اربعہ بدعتِ حسنہ اند یا سیئہ؟ کدام سیئہ؟

جواب: اتباعِ مساکلِ مذاہبِ اربعہ بدعتِ نیست نہ سیئہ نہ حسنہ بلکہ اتباعِ
آنما سنت است... الخ (مآۃ مسائل ص ۹۲-۹۳)

ترجمہ: سوال اکٹھواں:- مذاہبِ اربعہ بدعتِ حسنہ میں داخل ہیں یا بدعتِ سیئہ میں؟ اگر
بدعتِ سیئہ ہے تو کس قسم کی بدعتِ سیئہ ہے؟

جواب: مذاہبِ اربعہ کے مسائل کی اتباع کرنا نہ بدعتِ حسنہ ہے نہ بدعتِ سیئہ، بلکہ مذاہبِ
اربعة کے مسائل کا اتباع کرنا سنت ہے۔ اس لئے مذاہبِ اربعہ میں جو اختلاف ہے وہ اختلافات
یا تو خود صحابہؓ میں موجود تھے (اور ائمہ اربعہ ان کے خوشہ چیں ہیں) اس لئے ان میں بھی اختلافات
ہوئے، اور صحابہؓ کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”اصحابی کالنجوم فباہم اقتدیتم
اھتدیتم“ یعنی میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم جس کی بھی اقتداء (پیروی) کرو گے ہدایت
پالو گے۔ اور مذاہبِ اربعہ میں اختلاف، قیاس و اجتہاد کے اختلاف سے واقع ہوا (اور یہ مسلم ہے
کہ) قیاس نص سے ثابت ہے (تو قیاس پر عمل کرنا بعینہ) اتباعِ نص ہوا، اور نیز مذاہبِ اربعہ میں
اختلاف حدیث کے ظاہری الفاظ اور استنباط حدیث پر بھی ہے اور ظاہری حدیث کو قابلِ اجتہاد سمجھتے
ہیں، اور بعض استنباط حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ایک حدیث آتی ہے کہ
آنحضرت ﷺ نے جس وقت بنی قریظہ کی طرف صحابہؓ کو روانہ فرمایا تو یہ حکم فرمایا کہ کوئی عصر کی نماز
سوائے بنی قریظہ کے نہ پڑھے۔ بعض صحابہؓ نے اس بناء پر نمازِ عصر اداء کی کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد
اس تاکید سے یہ تھا کہ وہاں پہونچنے میں دیر نہ کریں نہ کہ نماز کو وقت سے ٹال دینا مقصود تھا۔ اور
بعض صحابہؓ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ
کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اس پر کچھ ناگواری ظاہر نہ فرمائی (تو معلوم ہو گیا کہ) دونوں طرح عمل جائز
ہے، مذاہبِ اربعہ کے اختلاف کی صورت ایسی ہے تو بدعت کس طرح ہو جائے گی۔

(امداد المسائل ترجمہ مآۃ مسائل ص ۱۰۱-۱۰۲)

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال (۶۲): مقلد ایشاں را بدعتی گویند یا نہ؟

جواب: ہرگز مقلد ایشاں را بدعتی نہ خواہد گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر والباطن پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است۔ (مآۃ مسائل ص ۹۳)

ترجمہ سوال: مذاہب اربعہ کے مقلدین کو بدعتی کہیں گے یا نہیں؟

جواب: مذاہب اربعہ کے مقلد کو بدعتی نہیں کہیں گے، اس لئے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید بعینہ حدیث کے ظاہر و باطن کی تقلید ہے، اور متبع حدیث کو بدعتی کہنا گمراہی اور بدعتی ہے۔

(امداد المسائل ترجمہ مآۃ مسائل ص ۱۰۲)

امام ربانی مجتہد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ نورانیت این مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ حیاض و جد اول بنظر می در آیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان و این مذہب باوجود کثرت متابعان در اصول و فروع از سایر مذاہب متمیز است و در استنباط طریق علیحدہ وارد و این معنی مبنی از حقیقت است، عجب معاملہ است امام ابو حنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است و احادیث مرسل را در رنگ احادیث مد شایان متابعت میداند و بر راسی خود مقدم میدارد و ہجرتین قول صحابہ را بواسطہ شرف صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام برائے خود مقدم میدارد و دیگر اں نہ چنین اند مع ذالک مخالفان اورا صاحب رائے میدانند و الفاظ کہ مبنی از سوئے ادب اند باو منتسب می سازند باوجود آنکہ ہمہ کمال علم و وفور ورع و تقویٰ او معترف اند حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ایشاں را توفیق دہاد کہ از راس دین و رئیس اسلام انکار نہ نمایند و سواد اعظم اسلام را ایداء نکنند۔

یریدون ان یطفنوا نور اللہ بافواہم جماعت کہ این اکابر دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاںاں برائے خود حکم می کردند و متابعت

کتاب و سنت نہی نمودند پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد ایچاں ضال و مبتدع باشند بلکہ از جرگہ اہل اسلام بیرون بودند این اعتقاد نکلند مگر جاہلی کہ از جہل خود بے خیر است یا زندقی کہ مقصودش ابطال شطر دین است ناقصی چند احادیث چند را یاد گرفته اند و احکام شریعت را منحصر در آن ساخته ماورائی معلوم خود را نفی می نمایند و آنچه نزد ایشان ثابت نہ شدہ منتفی می سازند

چوں آں کر می کہ در سنگے نہاں است

زمین و آسمان او ہماں است

وای ہزار وای از تعصبانے بار وایشاں

واز نظر ہائے فاسد ایشاں۔

(مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۷-۱۰۸ ج ۲ مکتوب نمبر ۵۵ فارسی۔)

ترجمہ: بلا تکلف و تعصب کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تابعدار ہیں یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے۔ اور استنباط میں اس کا طریقہ علیحدہ ہے اور یہ معنی حقیقت کا پتہ بتاتے ہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں۔ اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں دوسروں کا ایسا حال نہیں پھر بھی مخالف ان کو صاحب رائے کہتے ہیں۔ اور بہت بے ادبی کے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ سب لوگ ان کے کمال علم و ورع و تقویٰ کا اقرار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ان کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اسلام کے رئیس سے انکار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ دیں۔

یریدون ان یطعنوا نور اللہ بافواہم (یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں) وہ لوگ (غیر مقلدین) جو دین کے ان بزرگوں (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) کو صاحب رائے جانتے ہیں اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی عمل کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے۔ تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سواد اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے۔ اس قسم کا اعتقاد وہ بیوقوف کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق جس کا مقصد یہ کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے۔ ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا (یعنی جو ان کے علم سے باہر ہے) اس کا انکار کرتے ہیں:

بیت۔ : یعنی وہ کیڑا جو پتھر میں پنہاں ہے وہی اس کا زمیں و آسمان ہے
یعنی جو کیڑا پتھر میں چھپا ہوا ہے وہ یہ سمجھتا ہے یہی جگہ میری زمیں و آسمان ہے (اور خیال کرتا ہے کہ بس اتنی ہی بڑی دنیا ہے) حالانکہ اصل زمین و آسمان تو اس نے دیکھا تک نہیں اس قسم کے لوگ بیہودہ تعصب اور فاسد خیالوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(ترجمہ مکتوبات امام ربانی ص ۱۷۸-۱۷۹ ج ۲ مکتوب نمبر ۵۵)

حضرت شاہ محمد ہدایت علی نقشبندی مجتہد دی حنفی جیپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”تقلید ائمہ شریعت اس پر واجب نہیں جو علم تفسیر، فقہ و حدیث میں کامل ہو اور مرتبہ اجتہاد و استنباط مسائل پر قادر ہو، تاسخ و منسوخ و محاورہ عرب سے واقف ہو۔ اگر اس قدر استعداد نہیں رکھتا ہے تو تقلید ائمہ اس پر واجب ہے اور یہ سب علوم اس میں موجود ہوں اور پھر بھی ائمہ کی تقلید کرے تو احسن ہے، لیکن اس وقت میں دیکھا جاتا ہے کہ علم تفسیر، حدیث، فقہ، اصول تو کیا قرآن شریف یا حدیث شریف بلا اعراب (زبر، زیر، پیش) کے صحیح نہیں پڑھ سکتے، استنباط مسائل کی عقل (اور سمجھ) تو بہت بلند ہے۔ لیکن ائمہ شریعت کی تقلید نہیں کرتے اور تقلید کو شرک کہتے ہیں، ان کی عقل پر پردہ پر گیا ہے، یہ نہیں جانتے کہ ہندوستان میں علم تفسیر، حدیث، فقہ و اصول کے پیشرو شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ وغیرہ باوجود

مخزنِ علوم کے سب حنفی ہیں۔ تو کیا زمانہ موجودہ کے علماء علمِ فہمید و تقویٰ میں زیادہ ہیں؟ (نہیں) ہرگز نہیں۔ جو ائمہ کے مقلد کو مشرک کہتے ہیں لیکن جاہلوں کو اپنا مقلد بنا لیتے ہیں، اکثر لوگ جو اردو بھی نہیں جانتے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں یعنی غیر مقلد۔ ان سے اگر یہ سوال کیا جائے، کیا تم جو اپنے کو عاملِ اہل حدیث کہتے ہو تم نے یہ مسائل قرآن و حدیث سے اخذ کئے ہیں یا کسی مولوی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ فلاں مولوی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے، تو پھر یہ تقلید نہ ہوئی تو اور کیا ہوا؟... الخ

(روزِ ثانی ص ۶۱، ۶۲ ج ۲)

نیز آپ رحمہ اللہ ”احسن التقویم“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اور ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تقلید اس شخص پر جو علمِ عربی، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، استنباط مسائل و محاورہ عرب، علمِ ناخ و منسوخ سے پورا واقف نہ ہو اور تجربہ علمی نہ رکھتا ہو، واجب ہے۔ اسی واسطے حکمِ حق تعالیٰ ہے: ”فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ اور جو شخص ان علوم مذکورہ صدر سے ناواقف ہے یا ان میں کامل نہیں ہے اس پر تقلیدِ ائمہ دین واجب ہے۔ اور باوجود ان علوم میں کمال رکھنے کے پھر بھی کوئی تقلید کرے تو احسن ہے۔ زمانہ اخیر میں جمیع علوم دین میں کامل ذاتِ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ و حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ و حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ و حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ و حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمہ اللہ و حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہوئے، فی زمانہ ان کے مقابلہ میں کوئی عالمِ تجربہ علمی میں عشرِ عشر بھی نہیں ہے اور نہ کوئی عالمِ خواہ وہ کسی گروہ کا ہو ان کے مقابل تو کیا بیان کر سکتا ہے اپنے کو نصف یا ثلث حصہ میں بھی نہیں کہہ سکتا، اگر کوئی کہے تو مسلمان اس کو دیوانہ یا ”انا خیر منہ“ (یہ بلیس لعین کا مقولہ ہے) کہنے والے کا برابر ضرور جانیں گے، لیکن یہ سب بزرگوار حنفی ہوئے ہیں، جن کی کتابوں سے ان کا حنفی ہونا ثابت ہے۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے کہ مسلمانوں میں بعض بعض ان علوم میں منتہی تو کیا مبتدی بھی نہیں لیکن ائمہ مجتہدین کی تقلید کو برا کہتے ہیں۔ لیکن وہ جو اپنی تحقیقاتِ ناقصہ میں ناقص باتیں سمجھ چکے ہیں ان باتوں میں اور مسلمانوں کو اپنا مقلد بنانے کو تیار ہیں۔

تقلید شرعی کی ضرورت

”بہ میں تفاوت رہ کجاست تا کجا“ (حسن التویم ص ۱۳۷-۱۳۸)

حضرت علامہ عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) رحمہ اللہ اپنی معرکہ الآراء کتاب ”عقائد الاسلام“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”دوم: اگر ہر شخص ان مسائل میں اپنی اپنی رائے کو دخل دیا کرے تو ایک فساد عظیم دین میں پیدا ہو جائے صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے پھر جب بعد میں نئے نئے واقعات پیش آئے اور قرونِ مٹھ ہو چکے اور فتنہ و فساد دین میں شروع ہوا تب ان بزرگان دین نے قرآن و حدیث میں تتبع کر کے فقہ کو مرتب کیا اور مسائل جزئیہ کو اپنے موقع پر لکھ دیا سو اس زمانہ سے اب تک تمام امت مسائل جزئیہ میں انھیں چاروں کی مقلد ہیں پھر اب جو کوئی نئی راہ نکالے تو وہ سوادِ عظیم کو چھوڑتا ہے افسوس کہ بعض احباب آج کل عوام کو فتنہ میں ڈال رہے ہیں اور مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر طعن کرتے ہیں کہ ان کے اقوال احادیث کے مخالف اور بے سند ہیں حالانکہ یہ طعن بالکل غلط ہے اس لئے کہ ان کی کوئی بات اور کوئی قول مخالف اور بے سند نہیں، ہاں اگر وہ سند تمہیں نہ ملے تو تمہارا قصور ہے ان کی اجتہاد کے قبولیت کی بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار برس سے زیادہ آج تک مسلمانوں میں اس کو جاری رکھا۔ اگر یہ تقلید گمراہی ہوتی تو نعوذ باللہ امت گمراہ شام کی جاتی، پھر اس امت کا خیر ہونا اور جس قدر فضائل قرآن و احادیث میں وارد ہیں سب غلط ہو جاتے۔“ (عقائد الاسلام ص ۱۱۲، ۱۱۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں تحریر فرماتے ہیں:

”خانہ دین چہار است ہر کہ را ہے ازیں راہ ہائی و درے ازیں در ہائے اختیار نمودہ براہے دیگر رفتن و درے دیگر گرفتن عبث و یادہ باشد و کارخانہ عمل را از ضبط و ربط بیروں آگندن و از راہ مصلحت بیروں افتادن است“، یعنی دین کے چار گھر ہیں جس شخص نے کوئی راہ ان راہوں میں سے اور کوئی دروازہ ان دروازوں میں سے اختیار کیا تو اس کا دوسری راہ اور دوسرا دروازہ اختیار کرنا سیہودہ اور عبث ہے اور کارخانہ عمل کو مضبوطی اور استقامت سے دور کرنا اور مصلحت سے باہر جانا ہے۔

(شرح سفر السعادت ص ۲۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے اہل حدیث حضرات کے متعلق تحریر فرماتے

ہیں:

فاما هذه الطبقة الذين هم اهل الحديث والاثرفان الاكثرين منهم انما كلهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذى اكثره موضوع او مقلوب لا يراعون المتن ولا يفهمون المعانى ولا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن وادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما اوتوه من العلم قاصرون و بسوء القول فيهم الاثمون.

ترجمہ: طبقہ اہل حدیث و اثر کا حال یہ ہے کہ ان میں اکثر کی کوشش (صرف) روایتوں کا بیان کرنا ہے اور سندوں کا اکٹھا کرنا اور ان احادیث سے غریب اور شاذ کو تلاش کرنا ہے جن کا اکثر حصہ موضوع یا مقلوب ہے یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور نہ اس کے دینے اور فقہ کو نکالتے ہیں اور بسا اوقات فقہاء پر عیب لگاتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں اور ان پر سنن و احادیث کی مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں (اور الزام لگاتے ہیں) حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس کے حصول سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا بھلا کہنے سے گتہ گار ہوتے ہیں۔ (انصاف مع ترجمہ کشف ص ۵۳)

مسائل شرعیہ کی فہم کیلئے نری حدیث دانی کافی نہیں:

مسائل شرعیہ اور احکام فقہیہ سمجھنے کے لئے نری حدیث دانی (احادیث کا یاد کر لینا) اور جمود علی الظاہر کافی نہیں۔ فقہ اور اصول فقہ سے واقفیت اور تفقہ فی الدین کا حصول بھی نہایت ضروری ہے۔ اسکے حصول کے بغیر اصل حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ جن لوگوں نے قرآن و حدیث کے ظاہر پر جمود کیا تو باوجود عالم اور محدث ہونے کے ان سے احکام شرعیہ میں اس قسم کے فتاویٰ اور مسائل منقول ہوئے جو ظاہر البطلان ہیں۔

اسکے چند نمونے ملاحظہ کیجئے:

(۱) حدیث کی مشہور کتاب کنز العمال میں ایک روایت ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

”حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں، عطاءؒ، طاؤسؒ، اور عکرمہؒ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص نے آکر مسئلہ دریافت کیا کہ جب میں پیشاپ کرتا ہوں تو ماء دافق (یعنی منی) نکلتا ہے۔ کیا اس سے غسل واجب ہوگا؟ ہم نے کہا وہی ماء دافق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، کہا ہاں! ہم نے کہا جب تو غسل واجب ہے، وہ شخص انا سے پڑھتا ہوا چلا گیا، حضرت ابن عباسؒ جلدی جلدی نماز سے فارغ ہوئے اور عکرمہؒ سے کہا اس شخص کو بلاؤ، جب وہ آیا تو پہلے ہم سے پوچھا، کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا حدیث سے دیا؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا صحابہؓ کے اقوال سے؟ ہم نے کہا نہیں! پھر فرمایا آخر کس کے قول پر فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا اپنی رائے سے! یسٰن کرا آپؐ نے فرمایا:

”وَلَذَلِكَ يَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ: فُقِيَّةٌ وَاحِدٌ أَشَدَّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْفِ عَابِدٍ“.

یعنی اسی بناء پر رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔ پھر اس سائل سے پوچھا کہ پیشاپ کے بعد جو چیز نکلتی ہے اُس کے نکلنے کے وقت تمہارے دل میں شہوت یعنی عورت کی خواہش ہوتی ہے؟ کہا نہیں! پھر فرمایا عضو تناسل میں استرخاء یعنی ڈھیلا پن ہوتا ہے؟ کہا نہیں! فرمایا اس صورت میں تمہارے لئے وضو کافی ہے۔

(کنز العمال ص ۱۱۸ ج ۵)

علماء محققین نے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے جب دیکھا کہ ماء دافق کے لفظ سے محدثین کو دھوکہ ہوا اور صرف ظاہری معنی کا اعتبار کر کے انہوں نے فتویٰ دیدیا اور علت غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ ان میں کوئی فقیہ نہیں اگر فقیہ ہوتے تو علت غسل کی تشخیص ضرور کرتے، پھر جب دیکھا کہ علت غسل یعنی خروج منی کے لوازم نہیں پائے جاتے، اس لئے فتویٰ دیا کہ وہ منی نہیں ہے لہذا غسل بھی واجب نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف و مدح حدیث میں وارد ہے اس کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور موشگافیاں درکار ہیں اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور طاؤسؒ اور عکرمہؒ جیسے اکابر محدثین (جو تقریباً محدثین کے اساتذہ اور سلسلہ شیوخ میں ہیں) فقیہ نہیں سمجھا اس وجہ سے کہ انہوں نے علت کی تشخیص نہیں کی۔ اور کمال افسوس سے فرمایا کہ اسی بناء پر (کہ فقیہ اور سمجھدار لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور فتویٰ کیلئے ظاہری نصوص کو کافی سمجھتے ہیں) حضور اکرم ﷺ نے فقیہ کی تعریف کی کہ

شیطان کے مقابلہ میں ایک فقیہ ہزار عابد سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ شیطان کا مقصود اصلی یہی ہے کہ لوگوں سے خلاف شرع کام کرائے اور بیچارے عابد کو عبادت میں اتنی فرصت کہاں کہ معافی نصوص اور مواقع اجتہاد میں غور و خوض کر کے خود ایسا حکم دے کہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہو، جیسے محدثین کو ضبط اسانید اور تحقیق رجال وغیرہ فنون حدیث کے اشتغال میں اس کی نوبت ہی نہیں آتی، یہ تو خاص فقیہ کا کام ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام آیات اور احادیث متعلقہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبیعت و قاعدے کا امتیاز ہے اور ان میں موٹا گافیاں کر کے کوشش کرتا ہے کہ شارع کی غرض کیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ”ہر مرد دے دہر کا رے“۔

(حقیقۃ الفقہ ص ۹۹ ج ۱ مطبوعہ حیدرآباد)

(۲) علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تلمیذ ابلیس میں فرماتے ہیں:

”روی عن رسول اللہ ﷺ نہی ان یسقی الرجل ماء ذرع غیرہ فقال جماعة ممن حضر قد کنا اذا فضل ماء فی بسا تیننا سرحنا الی جیرانا ونحن نستغفر اللہ فما فہم القاری ولا السامع ولا شعروا ان المراد وطی الجالی من السبایا“۔
یعنی بعض محدثین نے یہ حدیث بیان کی کہ منع فرمایا رسول اللہ نے اس بات سے کہ آدمی اپنے پانی سے دوسرے کے کھیت کو سیراب کرے، حاضرین مجلس میں سے ایک جماعت نے کہا کہ بارہا ہم کو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہو گیا تو ہم نے اپنے پڑوسی کے باغ میں وہ پانی چھوڑ دیا، اب ہم اپنے اس فعل سے استغفار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ لونڈیوں سے وطنی نہ کی جائے، مگر اس کو نہ شیخ سمجھا اور نہ حاضرین مجلس کی نظر اس کی طرف گئی۔ یہ ہے عدم تفقہ کا ثمرہ۔
(تلمیذ ابلیس ص ۱۶۶)

(۳) علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب میں علامہ خطابی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

”قال الخطابیؒ وکان بعض مشائخنا یروی الحدیث عن النبی ﷺ نہی عن الحلق قبل الصلوۃ یوم الجمعة باسکان اللام قال واخبرنی انه بقی اربعین سنۃ لا یحلق رأسہ قبل الصلوۃ قال فقلت له انما هو الحلق جمع حلقہ وانما کرہ

الاجتماع للعلم والمذاكرة وامر ان يشتغل بالصلوة وينصت للخطبة فقال قد فرجت عني“.

یعنی ایک شیخ نے یہ حدیث بیان کی حضور ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ جمعہ کے روز نماز سے پہلے حجامت بنوائی جائے اور اس کے بعد کہا کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے میں نے چالیس سال سے کبھی جمعہ سے پہلے سر نہیں منڈایا ہے۔ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ میں نے کہا حضرت حلق بسکون لام نہیں بلکہ حلق بفتح لام و کسراء ہے جو حلقہ کی جمع ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے علم اور مذاکرہ کے حلقہ نہ بنائے جائیں اس لئے کہ یہ نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کا وقت ہے۔ یہ سن کر وہ شیخ بہت خوش ہوئے اور کہا تم نے مجھ پر بہت آسانی کر دی۔

(تلمیس ابلیس ص ۱۶۶)

(۴) ایک نرے محدث صاحب نے حدیث بیان کی:

”نهی رسول الله ﷺ ان يتخذ الروح عروضا“.

اور حدیث کی یہ تشریح کی کہ رسول اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ہوا کیلئے در بچہ (کھڑکی) کو عروضا بنایا جائے، حالانکہ حدیث کا یہ مقصد و مطلب نہیں ہے، حدیث میں لفظ روح بضم الراء ہے اور محدث صاحب نے بفتح الراء سمجھا اور غرضاً کو عروضا بعین مہملہ پڑھا اور مندرجہ بالا نتیجہ اخذ کیا، حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی جاندار (کو باندھ کر) تیر (و بندوق وغیرہ) کا نشانہ نہ بنایا جائے، یہ ہے فقہی الذین حاصل نہ کرنے کا ثمرہ۔ (مقدمہ مسلم شریف ص ۱۸۸ ج ۱ نیز ص ۱۵۳ ج ۲)

(۵) کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی عادت تھی کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے، جب اس سے وجہ دریافت کی گئی تو دلیل پیش فرمائی کہ حدیث شریف میں ہے کہ ”من استجمر فلیوتر“ کہ جو شخص استنجاء کرے وہ اس کے بعد وتر پڑھے، حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کیلئے جوڑھیلے استعمال کئے جائیں وہ وتر (طاق عدد) ہوں یعنی تین یا پانچ یا سات۔ (کشف الأسرار للزمردی ج ۱، ص ۶۰ ط قدیمی)

اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے دُعا فرمائی ہے:

”نضر الله عبداً سمع مقالتي وحفظها ووعاها واذاها، فرب حامل فقه الى من هو افقه منه...“ الخ .

اللہ تبارک و تعالیٰ اس بندے کو جو میری حدیث سے پھر اس کو یاد رکھے اور اس کی حفاظت کرے پھر دوسرے تک اس کو پہنچا دے اس لئے کہ بسا اوقات جس کو حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۸)

(۶) غیر مقلدین کے پیشوا علامہ داؤد ظاہریؒ نے ”لا یبولن احدکم فی الماء الدائم“ (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے) کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ماء راکد میں پیشاب کرنا تو منع ہے اور پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر کسی الگ برتن میں پیشاب کر کے وہ برتن پانی میں الٹا دیا گیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص پانی کے کنارے پیشاب کرے اور پیشاب بہہ کر پانی میں چلا جائے تب بھی پانی ناپاک نہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں صرف ماء راکد میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان دونوں صورتوں میں ماء راکد میں پیشاب نہیں کیا لہذا پانی ناپاک نہ ہوگا، امام نوویؒ شارح مسلم شریف نے شرح مسلم شریف میں علامہ داؤد ظاہریؒ کے اس فتویٰ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے ”هذا من اقبح ما نقل عنه فی الجمود علی الظاہر“ یہ فتویٰ داؤد ظاہریؒ کے ”جمود علی الظاہر“ کے غلط مسائل میں سے (ایک مسئلہ) ہے۔

(نووی شرح مسلم ص ۱۳۸ ج ۱، فضل الباری شرح بخاری ص ۲۷ ج ۲ مطبوعہ پاکستان)

(۷) غیر مقلدین کے دوسرے پیشوا حافظ ابن حزمؒ (جو بڑے محدث، مفسر اور متکلم ہیں) نے قرآن کی آیت: ”واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ“ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ نماز میں قصر کرو (سورہ نساء، پ ۷) کے ظاہر کو دیکھ کر کہا کہ مدت سفر کوئی چیز نہیں، اپنے گھر سے صرف ایک میل کے ارادے سے بھی جائے تو قصر کرے، محلی میں اس مسئلہ پر بہت زور دیا ہے ان کو یہ خیال نہ ہوا کہ پھر جتنے لوگ مسجد میں جا کر نماز پڑھیں وہ سب ہی قصر کیا کریں کیونکہ ضرب فی الارض صادق آگیا، آیت

میں تو ایک میل آدھ میل کی بھی کوئی تحدید نہیں۔

(فضل الباری شرح بخاری ص ۳۸ ج ۲ مطبوعہ پاکستان)

(۸) زمانہ حال کے غیر مقلدین کے شیخ الاسلام اور محدث مولانا عبد الجلیل سامرودی صاحب اپنے ایک رسالہ ”اظہار حقیقت از آئینہ حقیقت“ میں در مختاروشامی کا حوالہ دیکر رقمطراز ہیں:

”احناف کے نزدیک چوپایہ سے روزہ کی حالت میں وطی (محببت) کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، انزال ہو یا نہ ہو بلکہ غسل بھی نہیں آتا“،
در مختار میں ہے:

”اذا ادخل ذكره في بهيمة او ميتة من غير انزال“ (ص ۱۰۳ ج ۲ ص ۱۶۱) ونقل
فی البحر وكذا الزيلعي وغيره الا جماع على عدم الفسا د مع انزال (ص ۱۶۱).
در مختاروشامی کی عبارت کا منہوم سمجھے بغیر ہی لکھ دیا گیا۔

(۱) روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۲) انزال ہو یا نہ ہو۔

(۳) بلکہ غسل بھی نہیں آتا۔

حالانکہ مذکورہ تینوں دعوے بالکل غلط اور جہالت و کج فہمی کا واضح ثبوت ہیں، در مختاروشامی کی عبارت کا سرے سے یہ مطلب ہے ہی نہیں، اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اور وضاحت کیلئے ملاحظہ ہو: فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۶ ج ۷، باب ملقصد الصوم وما یکبرہ، اردو۔

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام جب در مختاروشامی کی آسان عبارت سمجھنے سے قاصر ہیں تو قرآن وحدیث وتفسیر کیا سمجھیں گے؟ ان کے شیخ الاسلام، علامہ اور محدث کی یہ حالت ہے تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی؟

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ایک لطیفہ یاد آگیا، ایک نیم فارسی داں نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو دشمن کے ہاتھ پٹے دیکھا تو آگے بڑھ کر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جس کی وجہ سے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا

اور دشمن نے موقعِ غنیمت سمجھ کر اتنا مارا کہ حالتِ خراب ہو گئی، ایک شخص نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا: ارے تو نے یہ کیا بیہودہ حرکت کی؟ دوست کے ہاتھ پکڑ کر اس کو خوب پٹوایا، اس نیم فارسی خاں نے کہا کیا آپ نے گلستاں میں شیخ سعدیؒ کی نصیحت نہیں پڑھی۔

دوست آنست کہ گیر دوستِ دوست در پریشاں حالی و در ماندگی

کہ سچا دوست وہ ہے کہ جو دوست کو تکلیف و پریشانی میں دیکھے تو اس کے ہاتھ پکڑ لے، سو اس لئے اس وقت میں نے دوست کے ہاتھ پکڑ لئے، اس شخص نے کہا! خدا تجھ پر رحم کرے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جب دوست کو تکلیف اور پریشانی میں دیکھے تو اس کی مدد کرے اور اس کو تکلیف سے نجات دلائے نہ کہ اس کے ہاتھ پکڑ کر خوب پٹوائے۔ اور جیسے کہ مرزا مظہر جان جاناں نے اپنے خادم کو حکم فرمایا کہ پانی کی صراحی اٹھالا و مگر پیٹ پکڑ کر۔ (ان کی مراد یہ تھی صراحی کا پیٹ پکڑ کر لانا، گردن پکڑ کر نہ لانا) اس میں احتمال ہے کہ گردن علیحدہ ہو جائے، مگر خادم نا سمجھ نے یہ حرکت کی کہ ایک ہاتھ سے تو صراحی کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑا، مرزا صاحبؒ نے اس حرکت نامعقول کو دیکھا تو ان کے سر میں درد ہو گیا کیونکہ بہت ہی لطیف الطبع اور نازک مزاج تھے، یہ ہے کلام کے ظاہری سطح پر عمل کرنے اور فہم ورائے سے کام نہ لینے کی آفت، یہی حالت اس زمانہ کے اہل حدیث (غیر مقلدین) کی ہے، علم میں ناقص، فہم دین سے کورے اور تفقہ فی الدین کی نعمتِ عظمتی سے محروم، ان نقائص کے ہوتے ہوئے الٹی سیدھی چند حدیثیں یاد کر کے ”ہمدانی اور مجتہد“ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر سلفِ صالحین، ائمہ دین اور حضراتِ مجتہدین امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کو قرآن و حدیث سے ناواقف، قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرنے والے کہتے ہیں اور مطلقاً رائے اور اجتہاد کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ رائے کی دو قسمیں ہیں ایک وہ رائے ہے جو نص کے مقابلہ میں ہو جیسا کہ ابلیس کی رائے تھی:

”خُلِقْتَهُ مِنْ نَارٍ وَ خُلِقْتَهُ مِنْ طِينٍ“ (اعراف پ ۱۸، آیت ۱۲) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس (یعنی آدم علیہ السلام) کو مٹی سے، آگ افضل ہے اور اس کا اٹھاؤ طبعاً علو یعنی بلندی کی طرف ہوتا ہے اور مٹی مفضول ہے اور اس کا جھکاؤ طبعاً بجانب سفل (نیچے) ہے، تو افضل

وعالی، مفصول و سافل کو کیوں مجہد کریگا، یہ اہلس کی رائے تھی جو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تھی، یہ تو بلا شک و شبہ مذموم اور خام ہے۔

اور ایک رائے وہ ہے جو نص کے مقابلہ میں نہیں بلکہ نص کے مطلب کو واضح کرنے کیلئے ہوتی ہے یہ مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ چنانچہ بنی قریظہ کے واقعہ میں ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”لَا يُصَلِّينَ أَحَدُكُمْ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قَرْيَظَةَ“ تم میں کوئی شخص نماز عصر بنی قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے، راستہ میں جب صحابہؓ نے دیکھا کہ وہاں جاتے جاتے عصر کا وقت نکل جائے گا تو صحابہؓ میں دو جماعتیں ہو گئیں، ایک جماعت نے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے راستہ میں عصر کی نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور وہیں پہلو ٹکڑ نماز عصر ادا کی، اور دوسری جماعت نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا اصلی مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس قدر عجلت سے جاؤ کہ عصر کی نماز ادا کرنے کی نوبت منزل مقصود پر پہنچ کر آئے۔ یہ مقصد نہیں کہ بہر صورت نماز وہیں پہلو ٹکڑ پڑھو چاہے نماز قضاء ہو جائے، یہ اجتہاد کیا اور راستہ میں نماز پڑھ لی، بعد میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے کسی پر ملامت نہیں فرمائی، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت نے اپنی رائے پر عمل کیا یہ رائے نص کے خلاف اور مقابلہ میں نہیں تھی بلکہ نص کے مطلب و مراد کو واضح کرنے کے لئے استعمال ہوئی تھی اس لئے مذموم قرار نہیں پائی اور حضور اکرم ﷺ نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی اور بقول علامہ ابن قیمؒ یہ جماعت فقہاء کی تھی۔

دین کا مدار دو چیزوں پر ہے:

دین کا مدار دو چیزوں پر ہے، ایک نقل صحیح (روایت) اور ایک فہم صحیح (درایت) لہذا ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو شریعت (یعنی کتاب و سنت) کے الفاظ کی محافظ ہو اور پھر وہ الفاظ حضرات فقہاء کو پہنچا دے، یہ جماعت محدثین کی ہے اور ایک ایسی جماعت کا ہونا بھی ضروری ہے جو شریعت کے اصول و فروع، کلیات و جزئیات، اغراض و مقاصد کی توضیح و تشریح کرے اور خدا و رسول اللہ ﷺ کے کلام کی صحیح صحیح مراد امت کو سمجھا دے یہ جماعت فقہاء اور مجتہدین کی ہے (دو صحابہؓ میں بھی یہ دو جماعتیں تھیں) غیر مقلدین کے محقق علامہ ابن قیمؒ جوڑی

تحریر فرماتے ہیں:

”تبلیغ کی دو قسمیں ہیں، ایک تبلیغ الفاظ کی، اور ایک تبلیغ معنی و مراد کی، اسی وجہ سے علماء امت دو قسموں میں منقسم ہو گئے ہیں، ایک قسم حفاظ حدیث کی کہ جنہوں نے الفاظ حدیث کو یاد کیا اور پرکھا، صحیح اور موضوع الگ الگ کر کے بتلادیا، یہ حضرات امت کے مقتدا ہیں اور اسلام کی سواری ہیں، ان بزرگوں نے دین کی یادگاروں اور اسلام کے قلعوں کی حفاظت کی اور شریعت کی نہروں کو خراب و برباد ہونے سے محفوظ رکھا،

دوسری قسم فقہاء اسلام اور اصحاب فتاویٰ کی ہے (انہی کے فتاویٰ پر امت کا دار و مدار ہے) یہی جماعت اجتہاد اور استنباط، حلال و حرام کے قواعد ضبط کرنے کے لئے مخصوص ہے، حضرات فقہاء زمین میں ایسے ہیں جیسے کہ آسمان میں روشن ستارے، انہی کے ذریعہ تاریک رات میں بھٹکے ہوؤں کو راستہ ملتا ہے اور انہی کے ذریعہ الجھے ہوئے مسائل سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے لوگوں کو ان حضرات کی اپنی ضروریات زندگی سے زیادہ ضرورت ہے، اور لوگوں پر فقہاء کی فرماں برداری والدین کی فرماں برداری سے بھی زیادہ ضروری ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر (فقہاء کرام وغیرہ) کی اطاعت کرو، یعنی قرآن وحدیث کا جو مطلب و مراد وہ حضرات بیان کریں اس پر عمل کرو۔

(اعلام المؤمنین ص ۹۸ ج ۱)

تفہم فی الدین اللہ عز و جل کی نعمت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ اس نعمت سے صرف اپنے مخصوص بندوں ہی کو نوازتا ہے، حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے:

”من یُرِ الدلہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین“۔

خدا تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲)

فرمان خداوندی ہے:

”یُؤْتِ الْحِکْمَةَ مَنْ یَشَاءُ وَ مَنْ یُؤْتِ الْحِکْمَةَ فَقَدْ أُوتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا“۔

دین کا فہم (یعنی علم فقہ و فقہ فی الدین) جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے اسکو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

(ترجمہ بیان القرآن پ ۳۶ سورہ آل عمران تفسیر اسات احمدیہ ص ۱۱۸)

جس کو یہ نعمت (دین کا فہم و فقہ فی الدین) حاصل ہوتی ہے وہ صحیح طریقوں پر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کے اُلجھے ہوئے مسائل سلجھاتا ہے، اور امت کو شیطانی پھندوں اور چال بازیوں سے بچا کر راہِ راست پر لے چلتا ہے، اسی بناء پر شیطان فقیہ سے بہت گھبراتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

”فقیہ واحد اشدّ علی الشیطن من الف عابد“۔

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۶)

غیر مقلدین جو کہ فقہ فی الدین کی نعمت سے محروم ہیں اس لئے وہ بھی فقیہ سے ڈرتے ہیں اور اسکو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور فقہ و فقیہ کو نیست و نابود کرنے کی تمنا کرتے ہیں، غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا عبد الجلیل سامرودی صاحب ”بوئے غسلین“ میں لکھتے ہیں ”اگر دنیا میں اصول فقہ و فقہ کا وجود نہ ہوتا تو آج کے دن کسی آریہ سماج و دیگر مذاہب نکلنے سے پیشتر کبھی فرقہ بندی نہ ہوتی“ اور لکھتے ہیں ”اگر آپ لوگوں کو خدا کی طرفداری کرنی ہے تو تمامی کتب مذاہب سے دستبردار ہو جاؤ“ اور لکھتے ہیں ”کوئی بادشاہ ہو عادل و عادل کتاب و سنت پر پھر وہ تمامی کتب فقہ و دیگر مذاہب کی کتابیں حضرت عمر فاروقؓ کی طرح ایک خندق کھود کر دفن کر دے یا جلا دے تب تو اشاعت کتاب و سنت خوب ہی ہو سکتی ہے“ یہ دشمنی کا سبب علم فقہ کی قدروقیمت سے ناواقفیت ہے، مشہور ہے ”والجہال لاهل العلم اعداء“ جبلاء علماء کے دشمن ہوتے ہیں۔

فقہ اور فقیہ کی فضیلت:

حالانکہ فقہ و فقیہ کی حدیث میں بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں:-

حدیث (۱) ”لکل شئی عماد و عماد ہذا الدین الفقہ“۔

ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے۔

(بیہقی، دارقطنی۔ فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵۸، کتاب الفوائد)

(۲) ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الناس معادن کمعادن الذهب والفضۃ وخیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا“ رواہ مسلم۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲)

لوگ سونے چاندی کی کان کی طرح ہیں، جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کریم الاخلاق ہونے کی وجہ سے مقتدا، پیشوا اور اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں جبکہ فقہ فی الدین حاصل کریں (یعنی احکام کو علی وجہ البصیرت جانتے ہوں اور فروعات کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں) ایک اور حدیث میں ہے:

”عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین“ متفق علیہ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ جس کے ساتھ خدا خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فتاہت نصیب کرتا ہے، یعنی اسکو فقیہ فی الدین بناتا ہے، روایت کی اس کو بخاری و مسلم نے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:

”انما مثل الفقہاء کمثل الکف“۔

بے شک فقہاء کی مثال ہتھیلی کی مانند ہے، یعنی جس طرح انسان ہتھیلی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح لوگ فقہ اور فقیہ کے محتاج ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

”مجلس فقہ خیر من عبادۃ ستین سنۃ“۔

فقہ کی ایک مجلس (یا فقہ کی مجلس میں شریک ہونا) ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر)

فقہ فی الدین کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک خاص موقع پر حضور

اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دُعاء فرمائی:

”اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّائِيْلَ“.

اے اللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ (ترجمان السنن ص ۲۵۸ ج ۲/۴)
فہم حدیث فقہاء کا حصہ ہے، یہ نرے محدث کا کام نہیں بلکہ بسا اوقات تفقہ کے حصول کے بغیر نری حدیث دانی فتنہ اور بڑی سے بڑی غلطی میں واقع ہونے کا سبب ہو جاتا ہے، جس کی چند مثالیں آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں، امام مسلمؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”ما انت بمحدثٍ قوماً حديثاً لا تبلغه عقولهم الا كان لبعضهم فتنة“.

جب تم لوگوں سے ایسی حدیث بیان کرو گے جس کی مراد تک ان کی عقل و فہم کی رسائی نہ ہو سکے تو یہ حدیث بعض لوگوں کے لئے ضرور فتنہ کا سبب بنے گی۔ (مسلم شریف ص ۹۹ ج ۱/۴)
امام ترمذی رحمہ اللہ فیصلہ فرماتے ہیں:

”وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث“.

اسی طرح فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے اور وہی حضرات حدیث کی مراد اور مقصد سب سے بہتر سمجھنے والے ہیں۔ (ترمذی شریف ص ۱۱۸ ج ۲/۴، باب ماجاء فی غسل المیت)

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:
”الحديث مُضِلٌّ الا للفقهاء“ (تفقہ فی الدین کے بغیر) حدیث گمراہ کرنے والی ہے سوائے فقہاء کے، یعنی جس کو تفقہ فی الدین حاصل نہیں وہ حدیث کی صحیح مراد تک نہ پہنچ سکے گا، اور اپنی ناقص رائے سے اُلٹا سیدھا مطلب اخذ کریگا اور گمراہ ہوگا، دیکھئے شیعہ، روافض، خوارج، معتزلہ، قادیانی اور دیگر فرق باطلہ قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں مگر گمراہ ہوتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا اگر کوئی حادثہ پیش آجائے اور اس کا صریح حکم نہ ملے تو میں کیا کروں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”شاوَرُوا الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ وَلَا تَمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ“.

رواہ الطبرانی فی معجمہ الاوسط ورجالہ موثقون من اهل الصحيح.

(معارف السنن شرح ترمذی للشیخ محمد یوسف البوری رحمہ اللہ ص ۲۹۴، ۲۹۵ ج ۳/۴)

تقلید شرعی کی ضرورت

یعنی جماعت فقہاء اور جماعت عابدین (جن کو کمال ولایت اور نظر کشف و شہود سے اجتہاد کا درجہ حاصل ہو) سے مشورہ کرو۔

حاصل کلام یہ کہ فقہاء کی رہبری کے بغیر جو قدم اٹھے گا وہ غلط ہی ہوگا، اسی بناء پر غیر مقلدین تراویح کی بیس رکعت اور طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔
قرآن پاک میں بھی تفقہ فی الدین کے حصول کا امر ہے:

”فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین“۔

سوا کیا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔ (سورہ توبہ پ ۱۱)
اور حدیث میں ہے:

”عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الناس لکم تبع وان رجالا یا تو نکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بہم خیراً۔ (رواہ الترمذی)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (اے میرے صحابہ!) لوگ تمہارے تابع ہیں دور دراز سے تمہارے پاس تفقہ فی الدین حاصل کرنے کے لئے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ نرمی، محبت اور بھلائی کے ساتھ پیش آنا، یہ میری تم کو وصیت ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۷، کتاب العلم، فصل ثانی)

بہت ہی سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ نبی کریم ﷺ ان لوگوں کے ساتھ نرمی بھلائی اور محبت کا معاملہ کرنے کی صحابہ کو وصیت فرما رہے ہیں، جو فقہ فی الدین کے حصول کیلئے آئیں اور غیر مقلدین فقہ اور فقیہ سے اظہار نفرت کرتے ہیں اور کتب فقہ کو جلا دینے اور دفن کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ معاذ اللہ

حقیقی محدث فقیہ کا احترام کرتا ہے:

حالانکہ جو حقیقی محدث ہوگا اس کی شان یہ ہوگی کہ وہ فقیہ کا احترام اور اس کی قدر کرے گا اور اس

کے ساتھ محبت رکھے گا، اسکے بھی ایک دو نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام اعمش رحمہ اللہ جو مشہور محدث ہیں اور جلیل القدر محدثین، جیسے امام شعبہ، امام سفیان ثوری، امام سفیان ابن عیینہ، امام ابو حنیفہ وغیرہ کے استاذ اور شیخ ہیں، اتفاق سے امام اعمش کی خدمت میں کوئی اہم مسئلہ پیش کیا گیا، آپ نے بلا کسی ہفت اور جھجک کے فرمایا ”انما يحسن جواب هذا النعمان بن ثابت واطننه انه بورك في العلم“ اس مسئلہ کا جواب امام ابو حنیفہ اچھی طرح دے سکتے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ ان کے علم میں خداداد برکت ہے۔

(الخيرات الحسان ص ۳۱)

(۲) امام اعمش کا ایک اور واقعہ ہے۔ عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں امام اعمش کی مجلس میں تھا، اس مجلس میں امام ابو حنیفہ بھی تشریف فرما تھے، ایک شخص نے امام اعمش سے مسئلہ دریافت کیا، آپ ساکت و خاموش رہے، پھر امام ابو حنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اس مسئلہ کا کیا جواب ہے؟ آپ نے اس کا تسلی بخش جواب دیا، امام اعمش نے تعجب سے پوچھا آپ نے یہ مسئلہ کس حدیث سے مستنبط کیا؟ جواب میں ارشاد فرمایا، اس حدیث سے جو آپ نے مجھے اپنی سند سے بیان کی تھی، اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، امام اعمش ”یہ سن کر بے ساختہ بول اُٹھے ”نحن الصبا دلة وانتم الاطباء“ ہم (محدثین کی جماعت) عطار یعنی دوا فروش ہیں اور تم (یعنی فقہاء) طبیب ہو، ہم صرف حدیث یاد کر لیتے ہیں، صحیح و ضعیف کو پہچانتے ہیں لیکن ان احادیث سے احکام مستنبط کرنا یہ تو تمہارا (یعنی فقہاء) کا کام ہے، جس طرح عطار ہر قسم کی دوائیں اور جڑی بوٹیاں جمع کرتا ہے اصلی و نقلی کو پہچانتا ہے لیکن دواؤں کی کیا خاصیت ہے، ان کے کیا فائدے ہیں، طریقہ استعمال کیا ہے، یہ سب باتیں اطباء جانتے ہیں نہ کہ عطار، اسی طرح محدثین احادیث کو یاد کر لیتے ہیں لیکن استنباط احکام فقہاء کرتے ہیں، پس جو فرق اطباء اور عطار میں ہے وہی فرق محدثین اور فقہاء میں ہے۔

(کتاب جامع العلم و فضلہ ص ۱۳۱ ج ۱، الخيرات الحسان ص ۶۱)

(۳) ایسا ہی ایک اور واقعہ ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعمش نے تنہائی میں مجھ سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا، میں نے جواب دیدیا خوش ہو کر کہنے لگے ”من این

قلت هذا يا يعقوب؟“ اے یعقوب! (یہ امام ابو یوسف کا نام ہے) یہ مسئلہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟ میں نے کہا ”بالحدیث الذی حدّثتَنی اَنْتَ ثم حدّثتَنی“ اس حدیث سے جو آپ نے مجھے بیان کی تھی پھر میں نے وہ حدیث ان کو سنائی:

”فقال لی یا یعقوب! انی لاحفظ هذا الحدیث من قبل ان یجمع ابواک ما عرفت تا ویله الی الان“.

کہنے لگے اے یعقوب! یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جبکہ تمہارے والدین یکجا جمع بھی نہ ہوئے تھے لیکن آج ہی اس حدیث کی مراد معلوم ہوئی۔

(کتاب جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۳۱، العلم والعلماء ص ۲۲۵)

امام اعمشؒ سے بھی بڑے درجہ کے محدث امام عامر شععی رحمہ اللہ (جو جلیل القدر تابعی ہیں اور جنہیں پانچ سو صحابہؓ کی زیارت کا شرف حاصل ہے) فرماتے ہیں:

”انا لسنا بالفقهاء ولكننا سمعنا الحدیث فرويناہ للفقهاء“.

ہم (یعنی محدثین کی جماعت) فقیہ و مجتہد نہیں ہیں ہم تو احادیث سننے ہیں (اور یاد کر لیتے ہیں) پھر فقہاء سے بیان کر دیتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

آپ نے غور فرمایا! محدثین کی یہ شان ہوتی ہے وہ فقہاء کے فضل کا بے تکلف اعتراف کرتے ہیں اور بوقت ضرورت انکی طرف رجوع بھی کرتے ہیں لیکن اس زمانہ کے ”اہل حدیث“ جو عربی سے نابلد، فہم و بصیرت سے کوسوں دور، مشکوٰۃ شریف، مؤطا امام مالکؒ وغیرہ کتب احادیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ائمہ ہدیٰ کو قرآن و حدیث کے خلاف عمل کرنے والا کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان سے افضل اور بڑا محدث سمجھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی موقع کیلئے شاعر نے خوب کہا ہے۔

انقلابِ جن دہر کی دیکھی تکمیل آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل
بو حنیفہ کو کہے طفلِ دبستان جاہل مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل، قندیل
حسنِ یوسف میں بتانے لگا ابرصِ سو عیب لگ گئے چیونٹی کو سو پر کہنے لگی ہچ ہے فیل

شرک، توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث لوح محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل
سامری موسیٰ عمران کو کہے جا دوگر شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان! طوق زریں ہے گدھے کیلئے عزت کی دلیل

غیر مقلدین کا اعتراف:

غیر مقلدین کے اس تعصب و جہالت کا اعتراف ان کے مقتدا بھی کرتے ہیں، چنانچہ ان کے ایک پیشوا قاضی عبدالوہاب خانپوری اپنی کتاب ”التوحید والسنة فی رد اهل الالحاد والبدعة“ صفحہ نمبر ۲۶۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

”پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث، مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جا بیل ہیں، وہ مفت میں شیعہ دروافض کے وارث و خلیفہ بنے ہوئے ہیں، جس طرح شیعہ، ملاحدہ و زنادقہ نیز منافقین کی حمایت کیلئے باب و ہلیز اور مدخل رہے، ان کا (غیر مقلدین کا) حال بھی بالکل اہل تشیع جیسا ہے۔“
(بحوالہ تقلید ائمہ ص ۱۸)

اسی طرح مشہور اہل حدیث مولانا وحید الزمان تحریر فرماتے ہیں ”اہل حدیث گوامام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کو حرام کہتے ہیں، لیکن ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، شوکانیؒ، نواب صدیق صاحب کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں۔“
(اسرار اللغۃ ص ۲۴۲ پارہ ہشتم)

ان حالات میں ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کیلئے مناسب یہی ہے کہ خواہشات نفسانی پر عمل ترک کر کے ائمہ مجتہدین..... کی تقلید کریں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”خانہ دین این چہار است و ہر کہ راہے ازیں راہ ہائے ودرے ازیں درہائے اختیار نسودہ براہ دیگر رفتن ودرے دیگر گزفتن عبث ویاوہ باشد۔“
یعنی دین کے گھر چار ہیں (یعنی مذاہب اربعہ) جو شخص ان راستوں کے علاوہ کسی اور راستہ کو اور ان دروازوں کے علاوہ کسی اور دروازہ کو اختیار کرے گا تو وہ بے کار اور عبث کام ہوگا۔

(شرح سفر السعاده ص ۲۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”بالجملہ ایس چہار امام اند کہ عالم را علم ایشان احاطہ کردہ است امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد رحمہ اللہ۔“

یعنی یہ چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے، اور وہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہم اللہ ہیں۔ (شرح مؤطا ص ۶)

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اربعہ کے متعلق فرماتے ہیں:

آل امامانے کہ کردند اجتماع	رحمت حق بر روان جملہ باد
بو حنیفہؒ بُد امام با صفا آن	سراج امتانِ مصطفیٰ
بادِ فضل حق قرین جان او	شاد باد ارواح شاگردان او
صاحبش بویو سف قاضی شدہ	وز محمد ذوالمنن راضی شدہ
شافعیؒ اوریسؒ، مالکؒ بازفر	یافت ایشان دین احمد زیب
احمد حنبلیؒ کہ بود او مرد حق	در ہمسہ چیز از ہمسہ بردہ سبق

روح شان در صدر جنت شاد باد

قصر دین از علم شان آباد باد

ان اشعار کا کسی شاعر نے مندرجہ ذیل اشعار میں ترجمہ کیا ہے:

مجتہدین جو گزرے ہیں امام	روح پر سب کے ہو رحمت صبح و شام
بو حنیفہؒ تھے امام با صفا	شمع جملہ امتانِ مصطفیٰ
جان پر اسکی خدا کا فضل ہو	خوش کردے حق اس کے ہر شاگرد کو
یو سف اسکا ہم نشین قاضی ہوا	اور محمد سے خدا راضی ہوا
تھے زفر، مالکؒ، امام شافعیؒ	جن سے زینت دین احمد کو ملی

احمد ضبیل کہ تھے وہ مردِ حق لے گئے ہر علم میں سب سے سبقت

روح ان سب کی جنان میں شاد ہو

علم سے ان کے دین کا محل آباد ہو
(پندنامہ)

تقلید کی حیثیت اور اس کا ثبوت:

دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اسی لئے واجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے احکام الہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کوئی چیز حلال ہے اور کوئی حرام، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، ان تمام معاملات میں اطاعت تو صرف خدا کی کرنا ہے، مگر چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان معاملات مبلغ اور پہچانے والے ہیں، اس لئے آنحضور ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہیں، اور حضور ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے، ارشاد خداوندی ہے ”من یطع الرسول فقد اطاع اللہ“ لہذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے اور جو شخص خدا اور رسول کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو تو یہ یقیناً مذموم ہے، لہذا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام کی تابعداری اور اطاعت کرے۔

قرآن و حدیث (سنت) میں بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحتہ ثابت ہیں جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے، اس قسم کے احکام و مسائل ”منصوصہ“ کہلاتے ہیں، لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام و اجمال ہے اور بعض آیات و احادیث ایسی ہیں جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہیں، بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ، کوئی مشترک ہے تو کوئی مؤول، اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ بظاہر قرآن کی کسی دوسری آیت، یا کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتے ہیں، مثلاً قرآن میں ہے:

”والمطَّلَقَات یتر بصدن با نفسهن ثلثة قروء“

جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہے وہ تین قروء گزارنے تک انتظار کریں۔

لفظ ”قروء“ عربی زبان میں حیض اور طہر دونوں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، ایسے موقع پر یہ الجھن ہوتی ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض آجانے پر ختم ہوگی یا تین طہر (پاکی کا زمانہ) ختم ہونے پر پوری ہوگی۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

”من كان له امام فقراء الامام له قراءة“۔

یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کیلئے کافی ہے۔
(ابن ماجہ)

دوسری حدیث میں بھی اسی طرح ہے:

”انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا“۔

یعنی امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو خاموش رہو۔
(مسلم شریف ص ۴۷ ج ۱)

اس کے بالمقابل دوسری حدیث میں ہے:

”لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“۔

جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔
(بخاری شریف ص ۱۰۴ ج ۱)

اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں بظاہر ایک حدیث دوسرے کے معارض معلوم ہوتی ہے، اور ان کے علاوہ بے شمار مسائل ایسے ہیں جو قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں، وہاں اجتہاد اور استنباط سے کام لینا ہی پڑتا ہے، ایسے موقع پر عمل کرنے والے کیلئے الجھن اور یہ دشواری پیدا ہوتی ہے کہ وہ کس پر عمل کرے اور کونسا راستہ اختیار کرے، اس الجھن کو دور کرنے اور صحیح مسئلہ سمجھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان اپنی فہم و بصیرت پر اعتماد کر کے اس کا خود ہی کوئی فیصلہ کر لے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے یہ دیکھے کہ قرآن و سنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف (صحابہؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ) نے (جو حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں یا آپ کے قریب زمانہ میں تھے۔ جس کے متعلق لسان نبوت کا یہ فیصلہ ہے ”خیر القرون قرنی ثم الذین یلوہم ثم الذین یلوہم“ اور جو علوم قرآن و حدیث کے ہم سے زیادہ ماہر، فہم

و بصیرت میں اعلیٰ تقویٰ و طہارت میں فائق، حافظہ و ذکاوت میں ارفع تھے) کیا سمجھا ہے اس پر عمل کرے، ایسی الجھن کے موقع پر عمدہ بات یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے دنیوی معاملات میں ماہرین فن کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، کورٹ میں کوئی مقدمہ دائر ہو جائے تو وکیل کرتے ہیں، مکان بنانا ہوتا ہے تو انجینئر کی خدمات حاصل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اور جو وہ کہتے ہیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اس سے دلیل کا مطالبہ اور جت بازی نہیں کرتے، اسی طرح دینی معاملات میں ان مقدس ترین حضرات کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کریں، اس عمل کو اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے۔ تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ دراصل قرآن و سنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے اور گویا یہ تصوّر کرتا ہے کہ ”امام“ اس کے صاحب شریعت کے درمیان واسطہ ہے، مثال کے طور پر نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہو اور جماعت بڑی ہو، امام کی آواز تمام مقتدیوں کو سنائی نہ دیتی ہو تو اس وقت مکتبہ مقرر کئے جاتے ہیں، وہ مکتبہ امام کی اقتداء کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر امام کی نقل و حرکت رکوع و سجود کی اطلاع پچھلی صف والوں کو دیتا ہے، اور پچھلی صف والے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم امام ہی کی اقتداء کر رہے ہیں یہ مکمل تو صرف واسطہ ہے جو ہمیں امام کی نقل و حرکت کی اطلاع دے رہا ہے اور مکتبہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں بلکہ میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے، بالکل یہی صورت حال یہاں ہے کہ مقلد کا تصور یہی ہے کہ میں خدا اور رسول ہی کی اطاعت اور اتباع کر رہا ہوں ”امام“ کو درمیان میں بمنزلہ مکتبہ تصوّر کرتا ہے اس کو مستقل بالذات مطاع نہیں سمجھتا، مستقل بالذات مطاع تو صاحب شریعت ہی کو سمجھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ الجھن کے موقع پر ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اسلاف کے عقل و فہم و بصیرت پر اعتماد کرے اور ان کی اتباع کرے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان حضرات مجتہدین میں سے کسی کے مذہب پر عمل نہ کرتے ہوئے اپنی فہم ناقص پر اعتماد کرے از خود فیصلہ کر کے اس پر عمل کرے، مگر اس وقت صاحب شریعت کی اتباع نہ ہوگی بلکہ اپنی خواہش کی اتباع ہوگی اور وہ اس طرح کہ خود تو مجتہد نہیں کہ فیصلہ

کرے کہ ناسخ کو نئی آیت وحدیث ہے اور منسوخ کیا ہے، رائج کیا ہے اور مرجوح کیا ہے وغیرہ وغیرہ، اس لئے وہ اپنی خواہش سے دل لگتی چیز پر عمل کریگا، لہذا اتباع خواہش نفسانی کی ہو گی، شریعت کی نہ ہوگی۔

خواہش نفسانی پر عمل کرنے کی مذمت:

اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا یہ کامیاب حربہ ہے کہ انسان خواہشات نفسانی کا بندہ ہو جائے اور اس پر عمل کرنے لگے، اس کے ذریعہ شیطان انسان کے قلب پر قابو پا لیتا ہے اور پھر بدن انسانی میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جیسے زہر، اور یہ انسان کے دین کیلئے بہت ہی خطرناک ہے، قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے خواہشات نفسانی پر چلنے والوں کی بہت مذمت فرمائی ہے چنانچہ ایک جگہ ان کو خیس ترین ”کتے“ سے تشبیہ دی ہے، ارشاد ہے:

”ولكنه اخلد الى الارض واتبع هواه فمثلته كمثل الكلب“۔

یعنی وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی کی پیروی کرنے لگا، سوا کی حالت کتے کی سی ہو گئی۔ (سورہ اعراف پ ۹)

اور ایک موقع پر خواہش پرست کو بُت پرست کے قائم مقام قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”افرايت من اتخذ الله هواه واصله الله على علم و ختم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشاوة“۔

سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشات نفسانی کو بنا رکھا ہے، اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ (سورہ جاثیہ پ ۲۹)

خواہش نفسانی پر عمل کرنے کی وجہ سے خدا اس کو گمراہ کر دیتا ہے اور کان اور دل پر مہر لگا دی جاتی ہے، پھر اس کے قلب میں صحیح بات نہیں اترتی اور نہ راہِ راست کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے اور وہ گمراہی کے گڑھے میں گر تا ہی چلا جاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

”افمن کان علیٰ بیتۃ من ربہ کمین ذین له سوء عملہ واتبعوا اہواہم“۔

تو جو لوگ پروردگار کے رستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بد عملی ان کو مستحق معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہوں۔ (سورہ محمد پ ۲۶)

ایک گروہ جو اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر چل رہا ہو اور دوسرا اپنی نفسانی خواہشات پر عمل پیرا ہو یہ دونوں گروہ ایک درجہ کے نہیں ہو سکتے، پہلا گروہ کامیاب اور دوسرا ناکام۔

نفسانی خواہش کی مذمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی متنبہ کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کی تابعداری نہ کریں جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتے ہیں، ارشاد ہے:

”ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ہواہ وکان امرہ فرطاً“۔

یعنی اور ایسے شخص کا کہا مت ماننے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔ (سورہ کہف پ ۱۵)

نیز ارشاد ہے:

”ولئن اتبع اہواءہم من بعد ما جاءک من العلم انک اذا لمن الظالمین“۔

اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (یعنی وحی) آنے کے بعد تو یقیناً آپ (معاذ اللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔ (سورہ بقرہ پ ۲)

نیز ارشاد ہے:

”ولا تتبع اہواءہم عما جاءک من العلم“

اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عمل در آنا نہ کیجئے۔

(سورہ مائدہ پ ۶)

نیز ارشاد ہے:

”وان احکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اہواءہم واحذرہم ان یفتنونک عن بعض ما انزل اللہ الیک“۔

ترجمہ: اور ہم (مکرم) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب

تقلید شرعی کی ضرورت

کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے (یعنی ان کی بات سے) احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا کے بھیجے ہوئے حکم سے بچلا دیں۔ (سورہ مائدہ پ ۶۱) نیز ارشاد ہے:

”ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذين لا يعلمون“.

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا ہے، آپ اس طریقے پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیے۔ (سورہ جاثیہ پ ۲۵)

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر پوری امت کو یہ پیغام سنایا گیا کہ خواہشات نفسانی کی پیروی سے بچے رہنا ورنہ وہ اللہ کے راستہ سے تم کو ہٹا دیگی، ارشاد ہے:

”ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله“.

اور خواہشات نفسانی کی پیروی مت کرنا (اگر ایسا کرو گے تو) وہ تم کو خدا کے راستہ سے بھٹکا دیگی۔ (سورہ پ ۲۳)

ایک جگہ ارشاد ہے:

”فان لم يستجيبوا لك فاعلم انما يتبعون اهواءهم“.

اگر وہ آپ کی اطاعت سے انکار کر دیں تو یقین کیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشات ہی کی اتباع کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ جو لوگ وحی کے موافق عمل نہ کریں تو وہ ”اتباع هوى“ (خواہشات کے بندے) ہیں اور جو من مانی کرتا ہے وہ سب سے زیادہ گمراہ ہوتا ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله“.

اور ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدون اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو۔ (سورہ قصص پ ۲۰)

الحمد للہ مقلدین اتباع وحی ہیں اور غیر مقلدین اتباع هوى (خواہشات کی تابعداری کرنے

والے) ہیں کہ مقلدین مذکورہ ابھجن کے موقع پر صحابہؓ و اسلاف عظام کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہیں اور انہی کی اتباع کرتے ہیں اور غیر مقلدین باوجود اسکے کہ وہ عالم و مجتہد نہیں، ناسخ منسوخ وغیرہ امور سے ناواقف ہیں پھر بھی وہ ان حضرات کی فہم و بصیرت پر اعتماد نہیں کرتے اور اپنی خواہشات کے مطابق فیصلہ کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ“.

یعنی...تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی تمام خواہشات میری آوردہ شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۲۲)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

”وَانْهَ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَىٰ بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَىٰ الْكَلْبُ لَصَاحِبِهِ لَا يَبْقَىٰ مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهُ“.

یعنی میری امت میں آئندہ کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں اہواء اور خواہشات اس طرح بسی ہوئی ہوں گی جیسا کہ ہڑکا ہوا کتا (باؤلا کتا) کسی کو کاٹ لے، اس شخص کے جسم میں کوئی رگ اور کوئی جوڑا یا باقی نہیں رہتا کہ جس میں کتے کے کاٹنے کی وجہ سے زہر پیوست نہ ہو گیا ہو۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

اس حدیث میں اگر غور کیا جائے تو دو باتیں معلوم ہوں گی، ایک یہ کہ کتا جس کو کاٹ لے اس کے جسم کے رگ و پے میں زہر پیوست ہو جاتا ہے جو اسکی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ مریض اگر تندرست انسان کو کاٹ کھائے تو اسکی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے، نفسانی خواہشات پر چلنے والے کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا وجود معرض خطرے میں آ جاتا ہے اور جو شخص اس کی صحبت اختیار کرتا ہے اس کا بھی دینی نقصان ہوتا ہے۔

نفسانی خواہشات دوزخ کی چہار دیواری ہے اس پر عمل کرنا اس دیوار کو پار کرنا ہے گویا دوزخ میں داخل ہونا ہے، چنانچہ صحیحین کی روایت ہے، حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات“.

جنت کے ارد گرد مصائب و تکالیف کی اور جہنم کے ارد گرد شہوات کی چہار دیواری کر دی گئی ہے، لہذا اپنی خواہشات پر عمل کرنا اس دیوار کو توڑ کر جہنم میں داخل ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”انتم اليوم فى زمان الهوى فيه تابع للعلم وسيا تى عليكم زمان العلم فيه تابع للهوى“.

(احیاء العلوم ص ۸۶ ج ۱)

یعنی آج تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جس میں خواہش نفس علم کے تابع ہے اور تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں علم خواہش نفس کے تابع ہوگا۔

(مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین ص ۱۳ ج ۱)

مشہور بزرگ شیخ ابو عمر زجاجی (شاگرد حضرت جنید بغدادی) فرماتے ہیں:

”كان الناس فى الجاهلية يتبعون ما تستحسنه عقولهم وطبا نعمهم فجاء النبى ﷺ فردهم الى الشريعة والاتباع فاعقل الصحيح الذى يستحسن ما يستحسنه الشرع ويستقبح ما يستقبحه“.

اسلام سے پہلے لوگ ایسی باتوں پر عمل کیا کرتے تھے جن کو ان کی عقلیں اور طبیعتیں اچھا سمجھتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے آکر ان کو شریعت اور اتباع کی طرف موڑ دیا، اب عقل صحیح اور فہم سلیم وہ ہے جو ایسی چیزوں کو اچھا سمجھے جسے شریعت اچھا سمجھتی ہے اور ایسی چیزوں کو برا سمجھے جسے شریعت برا سمجھتی ہے۔

(کتاب الاعتصام ص ۶۷ ج ۱)

امام شاطبی فرماتے ہیں:

”الشريعة موضوعة لاجراج المكلف عن داعية هواه“.

شریعت کی وضع اور غرض و غایت ہی یہ ہے کہ مکلف (یعنی انسان) کو اس کے خواہشات پر عمل کرنے کے داعیہ سے نکال دے یعنی خواہشات کا بندہ بننے کے بجائے خدا کا بندہ بنادے۔

(الاعتصام)

تقلید شرعی کی ضرورت

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

”لیس الشکر عبادة الاصنام فحسب بل هو متابعتک لہواک“:

شکر صرف بت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ شکر یہ بھی ہے کہ تم اپنی خواہش نفس کی پیروی کرو۔

شیخ نے اپنے اس ملفوظ میں ”افرأیت من اتخذ ہواہ“ کی تفسیر فرمائی ہے۔

(فتوح الغیب ص ۲۱۸ مقالہ ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”واعلم ان النفس مجبولة علی اتباع الشهوات لاتزال علی ذلک الا ان

یہرہا نور الایمان“.

یعنی جان لو کہ نفس کی جہلی بات یہ ہے کہ وہ خواہشات کی پیروی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ نور

ایمان اس میں داخل ہو۔ (تجہ اللہ بالذخیر ص ۳۰۶ ج ۲)

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں:

”انما دخل الفساد علی الخلق من ستة اشیاء، ضعف النية بعمل الآخرة والثانی

صارت ابدانہم مہینۃ لشہواتہم والثالث غلبہم طول الامل مع قصر الاجل

والرابع آثروا رضاء المخلوقین علی رضاء اللہ والخامس اتبعوا ہواءہم

ونبذوا سنة نبیہم ﷺ والسادس جعلوا زلات السلف حجة لانفسہم ودفنوا

اکثر مناقبہم“.

یعنی چھ چیزوں کی وجہ سے مخلوق میں فساد آ گیا ہے۔

(۱) آخرت کے متعلق اعمال میں انکی نیت میں ضعف آ گیا ہے۔

(۲) ان کے بدن شہوتوں کے پورا کرنے کے آلے بن گئے۔

(۳) طول اہل (بڑی بڑی امیدیں) ان پر غالب آ گیا حالانکہ زندگی بہت مختصر ہے۔

(۴) مخلوق کی رضامندی کو اللہ کی رضامندی پر ترجیح دینے لگے۔

(۵) اپنی خواہشات کی اتباع کرنے لگے اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں کو پس پشت ڈال دیا۔

(۶) اسلاف کی لغزشوں کو اپنے (اعمال بد) کیلئے حجت بنالیا اور ان کے مناقب کو (جو قابل عمل ہیں) چھوڑ دیا۔ (کتاب الاعتصام ص ۶۴، ۶۵ ج ۱)

حاصل کلام یہ کہ خواہشات نفسانی پر عمل کرنے کی مذمت کے بارے میں قرآن وحدیث لبریز ہیں، علماء کرام نے بھی اس کی مذمت کی ہے، اس لئے انسان کی سعادت مندی اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ بجائے از خود فیصلہ کرنے کے ائمہ ہدیٰ کے تقویٰ وطہارت، انکی خداداد فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ائمہ اربعہ میں سے (جن کی تقلید پر امت کا اجماع ہو چکا ہے) کسی کی تقلید کرے اس میں دینی مصلحت اور نجات مضمحل ہے،

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ارشاد عالی پر پھر غور کیجئے.....

اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة۔

جاننا چاہئے کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔ (عقد الجدید ص ۳۱)

اور فرماتے ہیں:

”وثانياً قال رسول الله ﷺ اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحققة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم۔“

مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”اتبعوا السواد الاعظم“ سواد اعظم کی اتباع کرو، اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چار مذہبوں کے باقی نہ رہے اس لئے انکی اتباع کرنا سواد اعظم (بڑے گروہ) کی اتباع کرنا ہے اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے۔ (عقد الجدید ص ۳۱)

حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است خوب است۔“

اعمال کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کی پیروی جو تمام مسلمانوں میں رائج ہے نہایت عمدہ اور

پسندیدہ ہے۔ (صراطِ مستقیم ص ۶۹ فارسی)

لہذا صحیح طور پر اگر شریعت کی اتباع کرنا ہے اور خواہشات نفسانی کی لعنت سے محفوظ رہنا ہے تو مذاہبِ اربعہ میں سے کسی کی اتباع کیجئے خصوصاً اُس پر آشوب و ہرقتن زمانہ میں جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ”ثم يَفْشُو الْكُذْبَ“ یعنی خیر القرون کے بعد ”کذب“ پھیل جائے گا۔

تقلید امرِ فطری ہے:

ٹھنڈے دل اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ تقلید ایک امرِ فطری ہے اور ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو انسان کے ساتھ مثل سائے کے لگی ہوئی ہے، ہمارے غیر مقلدین بھائی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں ان کے گھروں میں چھوٹے بچے گھر کے بڑوں ہی کو دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں اور دوسرے اعمال کرتے ہیں اور ان کے گھر کی مستورات محدثہ، عالمہ اور فاضلہ نہیں ہوتیں، مردوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتی ہیں اس پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا، اس کو شرک، بدعت اور گناہ نہیں کہا جاتا اور معمولی صنعت و حرفت میں بھی تقلید کے بغیر کام نہیں چلتا، طب اور ڈاکٹری کا مطالعہ کر کے انسان حکیم اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا، ایسا شخص اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے تو اسے مجرم کہا جاتا ہے اور جو اس سے علاج کرائے وہ بڑا نادان سمجھا جاتا ہے مثل مشہور ہے ”نیم حکیم خطرہ جان نیم ملا خطرہ ایمان“ بہر حال دنیا کے ہر کام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے لیکن دین کے معاملہ میں حدیث کی چند کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو علوم قرآن و حدیث کا ماہر سمجھنے لگنا اور ائمہ ہدئی اور اسلافِ عظام سے بدگمانی کرنا، انکی شان میں گستاخی کرنا اور انکی تقلید کو شرک و بدعت کہنا اور اپنی ناقص فہم و عقل پر اعتماد کرنا اور ہوائے نفسانی کی اتباع کو عین توحید سمجھنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔

بریں عقل و دانش بیاید گریست

اگر ہمارے غیر مقلدین بھائی ہٹ دھرمی، کٹختی اور ضد کو چھوڑ کر دیا ننداری، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جسے رہیں۔

نفس تقلید قرآن و حدیث سے ثابت ہے:

نفس تقلید کا جواز بلکہ وجوب قرآن و حدیث سے ثابت ہے، ہم یہاں چند آیات و احادیث پیش کرتے ہیں۔

(۱) قرآن میں ہے:

”فاسئلوا اهل الذکر ان کتلم لا تعلمون“۔

اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کر لو۔

(۲) ”اولئک الذین ہداهم اللہ فہذہم اقتدہ“۔

(سورۃ انعام پ ۷)

یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی انہی کے طریق پر چلئے۔

اس آیت میں اگلے انبیاء کی اتباع کا حکم فرمایا گیا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

”واتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً“۔

ملتِ ابراہیمی کا اتباع کیجئے جس میں کجی نہیں ہے۔

(۳) ”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم“۔

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوالامر کی، (اولوالامر میں ائمہ

مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ داخل ہیں)۔

(۴) ”ولوردوہ الی الرسول والی الامر منہم لعلہ الذین یستنبطونہ

منہم“۔

اگر یہ لوگ اس امر کو رسول کے اور اولوالامر کے حوالہ کرتے تو جو لوگ اہل فقہ اور اہل استنباط ہیں

وہ سمجھ کر ان کو بتلا دیتے کہ کوئی چیز قابلِ عمل ہے اور کوئی ناقابلِ عمل۔

اس آیت سے بھی صراحتہ ائمہ مجتہدین کی اتباع کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵) ”فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیفقیہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا

رجعوا الیہم لعلہم یحذرون“۔

یعنی کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تاکہ فقہ فی الدین حاصل کرے، اور جب واپس آئے تو اپنی قوم کو ہوشیار اور بیدار کرے تاکہ وہ دین کی باتوں کو سن کر اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

(سورۃ توبہ پ ۱۱)

(۶) ”وجعلنا منهم ائمة يهدون لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون“.

اور ہم نے ان میں پیشوا بنائے جو لوگوں کو ہماری راہ چلاتے تھے، جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ (سورۃ المائدہ پ ۲۱)

(۷) ”اتبع سبیل من اناب الی“.

اس شخص کے راستہ کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہے۔

(۸) ”یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصا دقین“.

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔ (سورۃ توبہ پ ۱۱)

ان تمام آیات میں اتباع اور تقلید کی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان سے تقلید مطلق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اب اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔

(۱) ”عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انی لا ادری ما بقائی فیکم

فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر“.

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں زندہ رہوں لہذا میرے بعد ان دو شخصوں یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

(۲) ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين..... الخ

تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

(۳) ”اصحابی کالنجوم فباہم اقتدیتم اہتدیتم“.

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت کرو گے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴)

(۴) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال بكتاب الله قال فان لم تجد في كتاب الله قال بسنة رسول الله ﷺ قال فان لم تجد في سنة رسول الله ﷺ قال اجتهد برائي ولا آلو، فضرب رسول الله ﷺ على صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله ﷺ لما يرضى به رسول الله ﷺ.

یعنی... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو یہ دریافت فرمایا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آئے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کیا پھر اجتہاد اور استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور اس مسئلہ کا حکم تلاش کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے اس جواب پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی اور خوش رہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۴، ابوداؤد شریف ص ۱۴۹)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ قرآن وحدیث میں ان کا حکم منصوص نہیں ہے یعنی صراحتہ مذکور نہیں ہے۔

(۲) غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنا مستحسن ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی عین مرضی کے مطابق ہے۔

(۳) رائے اور اجتہاد حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے الحمد للہ فرمایا اور فرط مسرت سے حضرت معاذ کے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا، اس سے اس طرف اشارہ تھا کہ علوم نبوت کے فیوض و برکات فقیہ اور مجتہد کے ساتھ ہیں۔

تقلید شرعی کی ضرورت

(۴) حضرت معاذ گویمین کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا ہے، مسائل کے حل کرنے اور معاملات کو سلجھانے کی تعلیم فرمائی جا رہی ہے، وجہ ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ جانتے ہیں کہ اہل یمن اپنے پیش آمدہ مسائل و معاملات میں حضرت معاذؓ ہی کی طرف رجوع کریں گے اور آپ ہی کی تقلید و اتباع کریں گے، اس حدیث میں صحیح طور پر غور کیا جائے تو تقلید کی حقیقت اور اس کا جواز واضح اور بین طور پر ثابت ہوتا ہے۔

(۵) ”العلماء ورثة الانبياء“ رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی.

(مکذوۃ شریف ص ۳۴)

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

پس جس طرح انبیاء کی اتباع فرض اور لازم ہے اسی طرح وارثین انبیاء (یعنی علماء) کی اتباع بھی لازم اور ضروری ہے، انبیاء کرام کی میراث علم ہے، علماء کی اتباع و اقتداء اسی لئے فرض ہے کہ وہ علم شریعت کے وارث اور حامل ہیں۔

(۶) ”كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لا

نبي بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون“.

بنی اسرائیل کی سیاست و حکومت ان کے انبیاء کرتے تھے، ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا اور خبردار ہو میرے بعد کوئی نبی نہیں، ہاں میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ (یعنی میری زندگی میں تم پر میری اتباع ضروری ہے اور میرے بعد میرے خلفاء کی اتباع لازم ہو گی) (از معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص ۱۸۵ ج ۱)

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے تقلید مطلق کا ثبوت ملتا ہے پھر اس تقلید کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام و مجتہد کو متعین نہ کیا جائے کبھی ایک امام کے مسلک کو اختیار کر لیا تو کبھی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لیا اسے تقلید مطلق کہا جاتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد کو متعین کر لیا جائے، ہر مسئلہ میں اس کی اتباع کی جائے اسے تقلید شخصی کہا جاتا ہے، عہد صحابہ و تابعین میں تقلید کی ان دونوں صورتوں پر عمل درآمد رہا ہے اور بکثرت اس کا ثبوت ملتا ہے۔

تقلید شخصی:

چنانچہ اس عہد مبارک میں یہ بات بالکل عام تھی کہ جو حضرات فقیہ نہ تھے وہ فقہاء صحابہ و تابعین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے، اور مسائل کے جواب میں مجیب جو حکم بتلاتا مع دلیل یا بلا دلیل، مسائل اس پر عمل پیرا ہوتا اور عدم دلیل کی صورت میں مسائل دلائل کا مطالبہ نہ کرتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

”صحابہ کرام سے لیکر مذاہب اربعہ کے ظہور تک یہی دستور رہا اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے، کسی بھی معتبر اور مستند شخصیت نے اس پر نکیر نہیں کی، اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے“ (عقد الجید ص ۲۹ مترجم)

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس فرمان سے عہد صحابہ و تابعین میں تقلید مطلق کا ثبوت واضح طور پر ملتا ہے، جس طرح ان حضرات کے یہاں تقلید مطلق کا رواج تھا اسی طرح بعض حضرات تقلید شخصی پر عمل پیرا ہوتے تھے، چنانچہ اہل مکہ مسائل خلاfiہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دیتے تھے اور انہی کے قول پر عمل کرتے تھے، اور اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا کرتے تھے اور اہل کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کو ترجیح دیتے اور اسی کی اتباع کرتے تھے۔

(۱) بخاری اور مسلم اور ابوداؤد میں ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا، پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود کا جواب حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ کے جواب کے خلاف تھا، جب ابوموسیٰ اشعریؒ کو اس کا علم ہوا تو سمجھ گئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؒ ہی کا جواب اور فتویٰ صحیح ہے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:

”لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ“

جب تک یہ تبحر عالم (یعنی ابن مسعودؒ) تم میں موجود ہیں تمام مسائل انہی سے دریافت کیا کرو اور وہ جو فتویٰ دیں اسی پر عمل کرو مجھ سے دریافت نہ کرو۔

اسی کا نام تقلید شخصی ہے جس کا ثبوت اس روایت سے واضح طور پر ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۴)

تقلید شرعی کی ضرورت

(۲) صحیح بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”ان اهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا نأخذ بقولك وندع قول زيد“.

(صحیح بخاری ص ۲۳۷ ج ۱، کتاب الحج)

اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طواف فرض کے بعد جائزہ ہو گئی ہو (تو اب وہ طواف وداع کئے بغیر جاسکتی ہے یا نہیں؟) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ طواف وداع کئے بغیر جاسکتی ہے، اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر (فتویٰ) عمل کر کے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول (فتویٰ) کو ترک نہیں کریں گے۔

(بخاری شریف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے اس روایت کے اس جملہ پر ”لا نأخذ بقولك وندع قول زيد“ پر غور کیجئے کہ جب اہل مدینہ نے ابن عباسؓ سے یہ بات کہی تو ابن عباسؓ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم تقلید و اتباع کیلئے (یعنی تقلید کیلئے) ایک معین شخص کو لازم کر کے شرک، بدعت اور گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو، اگر تقلید شخصی ناجائز اور حرام ہوتی تو ابن عباسؓ ضرور نکیر فرماتے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ مجتہد تھے تاہم فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ موجود ہو تو پھر کسی اور کے فتویٰ کی ضرورت نہیں۔ (کلمۃ الفصل ص ۱۹)

(۴) جب تک سالم بن عبداللہ زندہ رہے امام نافع نے فتویٰ نہیں دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۹۸ ج ۱)

معلوم ہوتا ہے کہ امام نافع رحمہ اللہ کے زمانے میں لوگ سالم بن عبداللہ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

(۵) حضرت معاذ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کی روایت گزشتہ اوراق میں مفصل آچکی ہے وہ روایت تقلید شخصی و اجتہاد کے ثبوت میں بہت واضح اور قوی دلیل ہے، یہاں موقع کی مناسبت سے اس روایت کے ایک پہلو پر توجہ مبذول کیجئے، وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے اہل یمن کیلئے اپنے فقہاء

صحابہ میں سے صرف حضرت معاذ کو یمن بھیجا اور انہیں حاکم، قاضی اور معلم بنا کر اہل یمن کیلئے یہ لازم کر دیا کہ وہ انہی کی تابعداری کریں اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ کو صرف قرآن و سنت ہی نہیں بلکہ موقع آنے پر قیاس و اجتہاد کے مطابق فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دے دی بلکہ اس کو ان کیلئے لازم کر دیا۔

اور یہ بھی مشہور ہے کہ تابعین کے دور میں فقہاء سبعہ کے فتوؤں پر عمل ہوتا تھا، ان روایات کو ملحوظ رکھ کر اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید مطلق و تقلید شخصی دونوں کا رواج تھا مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا، لوگوں میں تدبیر اور خدا ترسی غالب تھی ان کا متعدد حضرات سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا یا یہ مقصد ہوتا کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پر عمل کریں گے اس لئے اس زمانہ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل ہوتا تھا، پھر جوں جوں حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے بعد ہوتا گیا اور خوف خدا اور احکام شریعت کی عظمت کم ہونے لگی اور اغراض پرستی لوگوں پر غالب آنے لگی تو امت کے نباض علماء نے دکھتی رگ پکڑ کر تقلید کو ”تقلید شخصی“ میں منحصر کر دیا اور بتدریج اسی طرف علماء کا میلان ہونے لگا اور ہوتے ہوتے تقلید شخصی کے وجوب پر امت کا اجماع ہو گیا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو احکام شریعت کھلونا بن جاتے اور ہر ایک اپنے اپنے مطلب اور خواہش کے موافق عمل کرتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”وبعد المائین ظهر فیہم التملہب للمجتہدین اعیانہم وقل من کان لا یعتمد علیٰ ملہب مجتہد بعینہ وکان ہوا الواجب فی ذالک الزمان“۔

یعنی دوسری صدی ہجری کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہو گیا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔

(انصاف ص ۴۴)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز تقلید شخصی کے ضروری اور لا بدی ہونے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”گوئی نفسہ یہ بھی جائز ہے کہ مختلف لوگوں کا اتباع ہو، مثلاً کسی شیخ سے کوئی شغل پوچھ لیا اور کسی دوسرے سے کوئی اور شغل پوچھ لیا تو اس طرح متعدد کا اتباع بھی فی نفسہ جائز ہے اور سلف کی یہی حالت تھی کہ کبھی امام ابوحنیفہؒ سے پوچھ لیا، کبھی اوزاعیؒ سے، اور سلف کی اسی عادت کو دیکھ کر آج بھی لوگوں کو یہ لالچ ہوتا ہے۔ سو فی نفسہ تو یہ جائز ہے مگر ایک عارض کی وجہ سے ممنوع ہو گیا، اس کے سمجھنے کیلئے ایک مقدمہ سن لیجئے وہ یہ کہ حالت غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے سو حالت غلبہ کے اعتبار سے آج میں اور اس وقت میں یہ فرق ہے کہ اس وقت کے لوگوں میں تدبیر غالب تھا۔ ان کا مختلف لوگوں سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا تھا اور یا اس لئے کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پر عمل کریں گے پس اگر تدبیر کی اب بھی وہی حالت ہوتی تو ایک کو خاص کرنے اور اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہ ہوتی مگر اب تو وہ حالت ہی نہیں رہی اور کیسے رہتی؟ حدیث میں ہے: ثم یفشو الکذب۔ کہ خیر القرون کے بعد کذب پھیل جائے گا اور لوگوں کی حالت بدل جائے گی سو جتنا خیر القرون سے بعد ہوتا گیا۔ اتنی ہی لوگوں کی حالت ابتر ہوتی گئی۔ اب تو وہ حالت ہے کہ عام طور پر غرض پرستی غالب ہے اب مختلف لوگوں سے اس لئے پوچھا جاتا ہے کہ جس میں اپنی غرض نکلتی ہو اس پر عمل کریں گے۔ الی قولہ۔

علامہ شامیؒ نے یہاں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک فقیہ نے ایک محدث کے یہاں اسکی لڑکی کے لئے پیغام بھیجا۔ اس نے کہا اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تم رفع یدین اور آمین بالجہر کرو۔ فقیہ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور نکاح ہو گیا۔ اس واقعہ کو ایک بزرگ کے پاس ذکر کیا گیا تو انھوں نے اس کو سن کر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر سوچ کر فرمایا مجھے اس شخص کے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے اس واسطے کہ وہ جس بات کو سنت سمجھ کر کرتا تھا بدون اس کے کہ اسکی رائے کسی دلیل شرعی سے بدلی ہو۔ صرف دنیا کے لئے اسے چھوڑ دیا لوگوں کی یہ حالت دنیا طلبی کی ہو گئی ہے ایسے وقت میں اگر تقلید شخصی نہ ہو تو یہ ہوگا کہ ہر مذہب میں سے جو صورت اپنی مطلب کی پائیں گے اسے اختیار کریں گے۔ مثلاً اگر وضو کرنے کے بعد اسکے خون نکل آیا تو اب امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر وضو ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے مذہب پر نہیں ٹوٹا سو یہاں تو یہ شخص امام شافعیؒ کا مذہب اختیار کرے گا اور پھر اس نے بیوی کو بھی ہاتھ لگایا تو امام شافعیؒ کے مذہب پر وضو ٹوٹ گیا اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر نہیں

ٹوٹا۔ تو یہاں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب لے لے گا۔ حالانکہ اس صورت میں کسی امام کے نزدیک اس کا وضو نہیں رہا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو خون نکلنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو چھونے کی وجہ سے۔ مگر اس شخص کو ذرا بھی پرواہ نہ ہوگی وہ ہر امام کے مذہب میں اپنے مطلب ہی کی ڈھونڈ لیگا اور جو اس کے مطلب کیخلاف ہے اس کو نہ مانے گا۔ سودین تو رہے گا نہیں غرض اور نفس پرستی رہ جائیگی پس یہ فرق ہے ہم میں اور سلف میں ان کو تقلید شخصی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ تدبیر غالب تھا اور سہولت و غرض کے طالب نہ تھے بخلاف ہمارے کہ ہم میں غرض پرستی غالب ہے ہم سہولت و غرض کے بندے ہیں اس لئے ہم کو اس کی ضرورت ہے کہ کسی ایک خاص شخص کی تقلید کریں۔ ہم تقلید شخصی کوئی نفسہ واجب یا فرض نہیں کہتے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ تقلید شخصی میں دین کا انتظام ہوتا ہے اور ترک تقلید میں بے انتظامی ہوتی ہے۔ پس تقلید شخصی میں راحت بھی ہے اور نفس کی حفاظت بھی۔“

(اشرف الجواب حصہ دوم ص ۸۹ تا ۹۰ نفس)

نیز حضرت اقدس مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ ”الاقتصاد فی بحث التقليد والاجتهاد“ میں تحریر فرماتے ہیں:

مقصد چہارم تقلید شخصی ثابت ہے اور اس کے معنی:

حدیث اول:

”عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقصدوا بالذین من بعدی و اشار الی ابی بکر و عمر“ الحدیث اخرجه الترمذی“.

(تیسرے کلکے ص ۳۳۹ کتاب الفعائل باب ثالث)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں گا، سو تم لوگ ان دونوں شخصوں کا اقتداء کیا کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور اشارہ سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بتلایا، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

فائدہ:

من بعدی سے مراد ان صاحبوں کی حالت خلافت ہے کیونکہ بلا خلافت تو دونوں صاحب آپ کے روبرو بھی موجود تھے، پس مطلب یہ ہوا کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کیجیو اور ظاہر ہے کہ خلیفہ ایک ایک ہوں گے، پس حاصل ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں تو انکا اتباع کیجیو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انکی اتباع کیجیو، پس ایک زمانہ خاص تک ایک شخص کے اتباع کا حکم فرمایا، اور یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان سے احکام کی دلیل دریافت کر لیا کرنا اور نہ یہ عادت مستزہ تھی کہ دلیل کی تحقیق ہر مسئلہ میں کی جاتی ہو اور یہی تقلید شخص کی ہے کیونکہ حقیقت تقلید شخص کی یہ ہے کہ ایک شخص کو جو مسئلہ پیش آوے کسی مرجع کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کر لیا کرے اور اس سے تحقیق کر کے عمل کیا کرے اور اس مقام میں اس کے وجوب سے بحث نہیں وہ آگے مذکور ہے، صرف اس کا جواز اور مشروعیت اور موافقت سنت ثابت کرنا ہے، سو وہ حدیث قولی سے جواب بھی مذکور ہوئی بفضلہ تعالیٰ ثابت ہے ایک معین زمانے کیلئے سہی۔

حدیث دوم:

عن الاسود بن یزید... الخ الحدیث

فائدہ:

یہ وہ حدیث ہے جو مقصد اول میں بعنوان حدیث چہارم مع ترجمہ کے گزر چکی ہے ملاحظہ فرمایا جائے (یہ حدیث معاذ اس رسالہ کے ص ۳۷ نیز ص ۸۷ پر آچکی ہے) اس سے جس طرح تقلید کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا اس مقام پر اس کی تقریر کی گئی ہے اسی طرح تقلید شخص بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو تعلیم احکام کیلئے یمن بھیجا تو یقیناً اہل یمن کو اجازت دی کہ ہر مسئلہ میں ان سے رجوع کر سکتے ہو اور یہی تقلید شخص ہے جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا۔

حدیث سوم:

”عن ہزبل بن شرییل فی حدیث طویل مختصرہ قال سئل ابو موسیٰ ثم ابن مسعود واخبر بقول ابو موسیٰ فخالقہ ثم اخبر ابو موسیٰ بقولہ فقال لا تسألونی ما دام هذا الحجر فیکم“۔ اخرجہ البخاری و ابو داؤد و الترمذی۔

(تیسرے کلمہ ص ۹۷ کتاب الفرائض فصل ثانی)

ترجمہ: خلاصہ اس حدیث طویل کا یہ ہے، ہزبل بن شرییل سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا پھر وہی مسئلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی بھی خبر دی گئی تو انہوں نے اور طور سے فتویٰ دیا پھر جو ان کے فتویٰ کی خبر حضرت ابو موسیٰ کو دی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک یہ متحرم عالم تم لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔ روایت کیا اس کو بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے۔

فائدہ:

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمانے سے کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے مت پوچھو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہر مسئلہ میں ان سے پوچھنے کیلئے فرمایا ہے اور یہی تقلید شخصی ہے کہ ہر مسئلہ میں کسی مرجع کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کر کے عمل کیا کرے۔

(الاقتصاد ص ۳۱۲-۳۲۲ مطبوعہ اعجازیہ دیوبند)

علامہ ابن تیمیہؒ بھی تقلید شخصی کو ضروری تحریر فرماتے ہیں:

فی وقت یقلدون من یفسد النکاح وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والہوی ومثل هذا لا یجوز۔

یعنی یہ لوگ کبھی اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور کبھی اس امام کی جو اسے درست قرار دیتا ہے اپنی غرض اور خواہش کے مطابق اور اس طرح عمل کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۴۰ ج ۲)

غیر مقلدین شیخ عبدالوہاب نجدی کے ہم مسلک وہم عقیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ نام نہاد

المحدث ان سے بھی دو قدم آگے ہیں شیخ ائمہ اربعہ کی تقلید کے جواز کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں: کہ ہم حنبلی المذہب ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”فنحن والله الحمد متبعون لا مبتدعون علیٰ مذہب الامام احمد بن حنبل“۔

ہم لوگ الحمد للہ ائمہ سلف کے متبع ہیں کوئی نیا طریقہ اور بدعت ایجاد کرنے والے نہیں ہیں اور ہم امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں۔

(محمد بن عبد الوہاب للعلامة احمد عبدالغفور عطار، طبع بیروت ص ۱۷۲ اور ۱۷۵)

ایک دوسرے مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

انی والله الحمد متبع ولمست بمبتدع عقیدتی و دینی الذی ادین الله به .. الخ،

میں الحمد للہ ائمہ سلف کا متبع ہوں، مبتدع (دین میں نئی بات نکالنے والا) نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور میرا دین جو میں اللہ کے دین کی حیثیت سے اختیار کئے ہوئے ہوں وہ اہلسنت والجماعت کا وہی مسلک اور طریقہ ہے جو امت کے ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کا مسلک اور طریقہ ہے۔

(محمد بن عبد الوہاب ص ۱۷۲، ۱۷۵)

ان کے صاحب زادے شیخ عبداللہ اپنے ایک رسالے میں اپنے اور اپنے والد کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصول دین (یعنی ایمانیات و اعتقادات) میں ہمارا مسلک اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اور ہمارا طریقہ ائمہ سلف کا طریقہ ہے اور فروع میں یعنی فقہی مسائل میں ہم امام احمد ابن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں اور جو کوئی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرے ہم اس پر تکبر نہیں کرتے۔

(الہدیۃ السنیۃ عربی ص ۳۸-۳۹)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ اور ان کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اہل حق اہل السنۃ کے پیشوا ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں لیکن ہر مسئلہ میں ہم ان کے بھی مقلد اور پیرو نہیں ہیں۔ اور متعدد مسائل میں ان سے ہمارا اختلاف معلوم و معروف ہے منجملہ

تقلید شرعی کی ضرورت

ان کے ایک مجلس کی تین طلاوتوں کا مسئلہ ہے۔

(مندرجہ بالا احوالہ جات حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی ایک تازہ تصنیف

بنام ”شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ“ سے اخذ کئے گئے ہیں)

علامہ ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی جن کا علمی مرتبہ ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کو بھی مسلم ہے آپ نے سطور بالا میں ان دونوں حضرات کے اقوال و افکار ملاحظہ فرمائے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں بھی تقلید گناہ یا شرک نہیں ہے بلکہ وہ بھی اس کے ضروری ہونے کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلدین ائمہ ہدیٰ کی تقلید کو حرام، شرک، بدعت اور گناہ کہتے ہیں چنانچہ غیر مقلدوں کی کتاب ”فقہ محمدی“ کے ابتداء میں ہے ”اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے حنفی شافعی مالکی حنبلی مذاہب کی تقلید سے جن میں ایک جہاں پھنس رہا ہے اور بموجب آیت قرآنی ”اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ“ اور حدیث عدی ابن حاتم کے کہ مخالف حکم خدا اور رسول کے اور کسی کا حکم ماننا شرک ہے شرک سے بچایا۔

(فقہ محمدی و طریقہ احمدیہ ص ۴)

صاحب فقہ محمدی نے حنفی شافعی مالکی اور حنبلی مذاہب کی تقلید کو شرک کہا ہے اور استدلال میں قرآنی آیت اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ اور حدیث عدی بن حاتم کو بلا سمجھے بوجھے نقل کر دیا حالانکہ آیت کا تعلق یہود و نصاریٰ سے ہے کہ انھوں نے اپنے علماء و مقتداؤں کو ”خدا“ بنا رکھا تھا اور وہ اس طرح کہ ان کی شریعت میں بعض چیزیں حرام تھیں اور ان کو ان کے علماء اور مذہبی پیشوا اور پادریوں نے حلال کر دیا حالانکہ وہ چیزیں بھس صریح ان کے مذہب میں حرام تھیں اور اس سے قبل ان اشیاء کے حرام ہونے کا عقیدہ بھی رکھتے تھے مگر پادریوں کے حلال کرنے سے حلال سمجھنے لگے اسی طرح یہودیوں کا اپنے علماء کے متعلق یہی عقیدہ تھا یہ صورت یقیناً مذموم اور شرک ہے چنانچہ جب یہ آیت ”اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ“ نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ (یہود و نصاریٰ) تو اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے پھر اربابا من دون اللہ کیونکر ہوئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”انہم لم یکنوا یعبدونہم ولکنہم کانوا اذا أحلوا شینا استحلوه واذا حرموا علیہم شینا حرموہ“۔

یعنی بیشک وہ انکی عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن ان کے علماء جس چیز کو حلال کر دیتے یہ لوگ اس کو حلال سمجھتے اور جس چیز کو حرام کہہ دیتے اس کو حرام جانتے۔ (ترمذی وغیرہ)

اس تقریر سے ایک بات واضح ہوگئی کہ مقلدین احکام فقہیہ میں ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ کی تقلید و اتباع تو کرتے ہیں مگر ان میں اور یہود و نصاریٰ کی خباثت میں بین فرق ہے وہ یہ کہ یہود و نصاریٰ تحلیل و تحریم میں احبار و رہبان کے لیے مستقل اختیار ثابت کرتے تھے۔ گویا انھیں قانون ساز سمجھتے تھے اور مقلدین ائمہ و علماء مجتہدین کیلئے شہ برابر اختیار تشریحی تسلیم اور ثابت نہیں کرتے اصل حکم خدا ہی کا سمجھتے ہیں اور ”ان الحکم الا للہ“ ہی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہاں رسول کا بیان چونکہ دلیل قطعی ہے اللہ کی طرف سے چیزوں کے حلال و حرام ہونے پر اس لئے رسول کی اتباع کرتے ہیں اب رہا تقلید کا مسئلہ تو اس کی حیثیت (جیسا کہ گذشتہ اوراق سے واضح ہو گیا) صرف یہ ہے کہ ہم ائمہ کو شارح قانون سمجھتے ہیں اور ان کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہیں نہ کہ انھیں قانون ساز گردانتے ہیں اس لئے اس تقلید کو یہود و نصاریٰ کی تقلید سے کوئی مناسبت نہیں اور ائمہ ہدٰی کی تقلید کی مذمت اس آیت کریمہ سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ سے متعلق ایک واضح اور قطعی بات لکھی ہے کہ اصل حکم تو اللہ ہی کا ہے اور وہ تحلیل و تحریم جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضور ﷺ کا قول اللہ کی تحلیل و تحریم کیلئے علامت قطعی ہے اور اس تحلیل و تحریم کو مجتہدین امت کی طرف منسوب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات اس حکم کو شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں یا اس کے کلام سے استنباط کرتے ہیں:

واما نسبة التحلیل والتحریم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبمعنی ان قوله امارة قطعية لتحلیل اللہ وتحريمہ، واما نسبتها الی المجتہدین من امتہ فبمعنی روايتہم ذلک عن الشرع من نص الشارع او استنباط من کلامہ۔

(حجة اللہ البالغہ مع ترجمہ نعمۃ اللہ السابغہ ص ۱۲۷ ج ۱، باب اقسام الشرک)

غیر مقلدین کے چند اشکالات اور ان کے جوابات

پہلا اشکال:

ان کا ایک اشکال یہ ہے کہ مسائل فقہ اور اسلامی احکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت میں مدون اور جمع نہ تھے یہ بعد کی ایجاد ہے اس لئے یہ بدعت سیئہ ہے یہ اعتراض سراسر ان کی جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے قرآن کریم بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں یکجا جمع نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے جمع کیا گیا جس کیلئے ابتداء حضرت ابوبکر صدیقؓ تیار نہ تھے اور فرما رہے تھے:

”کیف تفعل شئنا لم یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“.

کہ جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسے آپ کیسے کر سکتے ہیں؟

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ”هذا والله خیر“ قسم بخدا یہ کام لامحالہ اچھا ہے ان دونوں حضرات کے درمیان بحث اور گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ اللہ نے صدیق اکبر کو اس بارے میں شرح صدر فرمایا اور وہ اس مبارک واہم کام کرنے پر آمادہ ہو گئے خود صدیق اکبر کا بیان ہے:

فلم یزل عمر یراجعنی حتیٰ شرح اللہ صدری لذلك ورأیت فی ذالک الذی رأی عمر“.

یعنی عمر مجھ سے الٹ پھیر (بحث) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کام کیلئے شرح صدر عطا فرمادیا اور میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہو گئی جو عمر فاروقؓ کی تھی۔

ان دونوں حضرات کی رائے متفق ہو گئی تو پھر کاتب وحی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کرنے کیلئے طلب فرمایا اور قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے بھی یہی سوال کیا:

”کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔

آپ صاحبان وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو مصلحت بتائی یہاں تک کہ ان کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات اتار دی اور وہ بھی اس کام کیلئے آمادہ ہو گئے حضرت زیدؓ فرماتے ہیں:

”فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتیٰ شرح اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرح لہ صدر ابی بکر وعمر“۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھ سے سوال و جواب (الٹ پھیر) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کیلئے کھول دیا جس کیلئے ابوبکر و عمر کو شرح صدر ہو چکا تھا۔

اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت جانفشانی اور پوری احتیاط کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور قرآن کریم کا نسخہ مرتب فرمادیا اگر فقہ کے مسائل اور احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدون ہونے اور جمع ہونے پر اعتراض ہے اور اُسے بدعت و ناجائز کہا جاتا ہے تو جمع قرآن کے متعلق کیا کہو گے؟

احادیث کی تدوین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوئی ہے اور کتب احادیث بعد میں مرتب ہوئی ہیں۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، مؤطا، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ تمام کتب بعد میں تصنیف کی گئی ہیں۔ کیا اس کو بھی بدعت کہا جائے گا؟ اور اس سے اعراض کیا جائے گا؟ اور کتب احادیث سے استفادہ ترک کر دیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ کا مدون ہونا بدعت ہے نہ کتب احادیث کا مرتب ہونا بدعت، اور نہ جمع قرآن کو بدعت کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ ہر نئی بات کو بدعت کہہ دینا جہال اور محروم العقل لوگوں کا کام ہے ہر نیا کام اور ہر نئی بات بدعت ممنوعہ نہیں بلکہ جو عمل ”فی الدین“ یعنی دین کے اندر بطور اضافہ اور کمی بیشی کے ہو اور اسے دین قرار دیکر اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح ثواب آخرت اور رضائے الہی کا وسیلہ سمجھ کر کیا جائے حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو نہ قرآن و سنت سے، نہ قیاس و اجتہاد سے، جیسے عیدین کی نماز میں اذان و اقامت کا اضافہ“ یہ تو بدعت ہے اور جو نیا کام ”ملدین“ ہو یعنی دین کے

استحکام و مضبوطی اور دینی مقاصد کی تکمیل و تحصیل کیلئے ہو اُسے بدعت ممنوعہ نہیں کہا جاسکتا جیسے قرآن کا مسئلہ قرآن میں اعراب وغیرہ لگانا، کتب احادیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا اور ان کتابوں کا صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ نام رکھنا ان امور کو بدعت نہیں کہا جاسکتا اسی طرح احکام فقہ کا تدوین و مرتب کرنا اور مذاہب اربعہ کی تعیین اور ان کا حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی نام رکھنا اس کو بھی بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ مذکورہ تمام امور ملحدین ہونے کی وجہ سے مستحب بلکہ ضروری ہیں اگر قرآن جمع نہ کیا جاتا تو اس کی حفاظت مشکل ہو جاتی اگر اس پر اعراب نہ لگائے جاتے تو صحیح تلاوت کرنا دشوار ہو جاتا احادیث کو کتابوں کی صورت میں مرتب نہ کیا جاتا تو آج شاید امت کے پاس احادیث کا یہ معتبر ذخیرہ نہ ہوتا اسی طرح فقہ کی تدوین اور مذاہب اربعہ کی تعیین نہ ہوتی تو آج لوگ خواہشات کے غلام اور بندے ہو چکے ہوتے یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے علماء کے قلب میں یہ بات الہام کی کہ انہوں نے ضرورت محسوس کر کے فقہ کی تدوین کی اور اس کے طفیل لوگوں کیلئے احکام شرع پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”وبالجملة فالتمذهب للمجتہدین سرّ اٰلہمہ اللہ تعالیٰ العلماء وجمعہم من حیث یشعرون او لا یشعرون“۔

الحاصل (ان مجتہدین کا صاحب مذہب ہونا) اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا ایک راز ہے جس کو اللہ نے علماء پر الہام کیا ہے اور ان کو اس تقلید پر جمع کر دیا ہے چاہے وہ اس راز کو جانیں یا نہ جانیں۔ (انصاف ص ۴۷)

اور تحریر فرماتے ہیں:

”اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاهب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنہا کلہا مفسدۃ کبیرۃ“۔

جاننا چاہیے مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔ (عقد الجدید ص ۳۱)

دوسرا اشکال:

ان کا ایک اشکال یہ بھی ہے کہ مجتہدین تو بہت ہوئے کیا وجہ ہے کہ تقلید کا انحصار انہی چار میں ہے کیا قرآن و حدیث میں ان کے برحق ہونے کی صراحت آئی ہے؟
یہ لوگ ایسے بے جا اعتراضات سے لوگوں کو بہکانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ کتب احادیث کتب معتبرہ ہیں کیا قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث میں ان کے معتبر ہونے کی وضاحت آئی ہے؟ ان کتب کے معتبر صحیح ہونے کی سند یہ ہے کہ امت کے علماء و صلحاء کی جانب سے ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور تلقی بالقبول کسی چیز کے صحیح و معتبر ہونے کی بہت مضبوط و قوی سند ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ’اتفاق سلف و توارث ایشاں اصل عظیم است در فقہ‘ سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔
(ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵)

چار ہی کیوں رہتے تین یا پانچ نہ ہوئے؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ اگر پانچ مذاہب ہوتے تب بھی یہی سوال ہوتا کہ پانچ کیوں ہوئے؟ چار میں منحصر ہو جانا اس کی مصلحت تو خدا بہتر جانتا ہے لیکن ظاہری طور پر آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر باب اور ہر فصل کے مسائل کتاب الطہارۃ سے لیکر کتاب الفرائض تک ائمہ اربعہ کے مذاہب میں مدون اور مجتمع ہیں ان کے علاوہ کسی اور مجتہد کے مسائل مدون اور مجتمع نہیں ہیں۔ خال خال ان بزرگوں کے اقوال مذاہب اربعہ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ جب یہ صورت حال ہے تو پھر ائمہ اربعہ کو چھوڑ کر کسی اور کی تقلید کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس لئے امت نے تقلید کو ائمہ اربعہ ہی میں منحصر کر دیا ہے شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون تفسیرات احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعۃ و اتباعہم فضل الہی و قبولیۃ من عند اللہ لا مجال فیہ للتوجیہات و الادلۃ“۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہو جانا اور ان ہی چار مذاہب کی اتباع کرنا فضل الہی ہے۔ اور من جانب اللہ قبولیت ہے اس میں دلائل اور توجیہات کی کوئی ضرورت نہیں۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۳۶)

تقلید شرعی کی ضرورت

اور یہ حقیقت ہے کہ ان چاروں اماموں کو اللہ نے قرآن و حدیث کا تفصیلی علم اور درایت و استنباط کی مہارت تامہ عنایت فرمائی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”وبا لجملة ایس چار امام اند کہ عالم را علم ایشان احاطہ کردہ است امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ“

یعنی یہ چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے جہاں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ چار امام، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ ہیں۔ (شرح مؤطا ص ۶)

اور اس کی مصلحت خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ چار کے عدد میں کچھ ایسی خصوصیت ہے کہ بہت سی چیزیں چار کے عدد سے مشہور ہوئیں، دیکھئے انبیاء و رسل بہت ہوئے مگر جلیل القدر انبیاء چار ہیں۔

(۱) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

آسمانی کتابیں بہت نازل ہوئیں مگر ان میں چار بہت مشہور ہیں۔

(۱) قرآن مجید (۲) تورات (۳) زبور (۴) انجیل۔

ملائکہ ان گنت اور بے شمار ہیں مگر ان میں جلیل القدر ملائکہ چار ہیں۔

(۱) حضرت جبرائیلؑ (۲) حضرت میکائیلؑ (۳) حضرت عزرائیلؑ (۴) حضرت اسرافیلؑ۔

صحابہ بہت ہیں مگر چار بڑی خصوصیات کے حامل ہیں۔

(۱) حضرت ابو بکر صدیق (۲) حضرت عمر بن خطاب (۳) حضرت عثمان بن عفان

(۴) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

صوفیاء و مشائخ طریقت بہت ہوئے ہیں مگر چار سلسلے مشہور ہوئے۔

(۱) چشتیہ (۲) نقشبندیہ (۳) قادریہ (۴) سہروردیہ۔

خدا کی قدرت کی نشانیاں بے شمار ہیں مگر سورہ غاشیہ میں اللہ نے چار چیزوں کو پیش کیا ہے

(اہل، سماء، جبال، ارض) فرماتے ہیں:

”افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت والى السماء كيف رفعت والى الجبال

کیف نصبت والی الارض کیف سطحت“

کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور سے) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کی کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ (سورہ غاشیہ پ ۳۰)

اسی طرح مجتہدین میں سے چار مشہور ہوئے تو اس میں کوئی بات اعتراض کی ہے؟ لہذا ان چار میں سے کسی کی اتباع میں ہماری نجات مضمحل ہے۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی المذہب تھے اور آپؒ یہ تمنا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو امام احمدؒ کے مذہب پر قائم رکھے اور میدان حشر میں انہی کے زمرہ میں ہمارا حشر فرمائے۔

غنیۃ الطالبین میں ہے:

”اماتنا علیٰ مذہبہ اصلاً وفرعاً وحشرنا فی زمرتہ“

یعنی اللہ تعالیٰ ہم کو اصلاً (یعنی اعتقاداً) وفرعاً ان کے مذہب پر خاتمہ کرے اور ان کے زمرہ میں ہمارا حشر فرمائے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۸۹ عربی)

خلاصہ کلام یہ کہ اگرچہ مجتہدین بہت ہوئے مگر چونکہ ان کے مذاہب مدون نہیں ہوئے صرف ان چار کے مدون و مرتب ہوئے اس لئے انہی میں سے کسی کی اتباع ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”ولما اندرست المذاهب الحقہ الا هذه الاربعۃ کان اتباعها اتباعاً للسواد

الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم“

یعنی جب بجز مذاہب اربعہ کے سارے مذاہب ختم ہو گئے تو انہی مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے جس کی حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ (عقد الجدید ص ۳۱)

اور تحریر فرماتے ہیں:

”ولیس مذہب فی هذه الازمنة المتأخرۃ بهذه الصفة الا هذه

المذاهب الاربعة“.

اس آخری زمانے میں اس صفت کے (کہ جس میں ہر شعبہ کے مسائل ہوں) صرف یہ مذاہب

اربع ہیں۔

تیسرا اشکال:

غیر مقیدین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ قرآن ایک، رسول ایک، پھر ائمہ اربعہ کے درمیان مسائل میں اختلاف کیوں ہے؟ اس اختلاف کی وجہ سے انسان تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کس کو حق سمجھے اور کس پر عمل پیرا ہو؟

جواب: یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے اولین مخاطب حضرات صحابہؓ تھے وہ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے فیض یافتہ تھے اس لئے وہی حضرات قرآن و حدیث کی مراد کو صحیح طور پر سمجھ سکتے تھے لہذا ان حضرات نے جو سمجھا ہے وہ ہمارے لئے معیار اور مشعل راہ ہے اور قرآن و رسول کے ایک ہوتے ہوئے حضرات صحابہؓ کے مابین بے شمار مسائل میں اختلاف تھا، ائمہ اربعہ نے چونکہ ان ہی حضرات اور ان سے فیض یافتہ حضرات تابعین کی فہم و بصیرت پر اعتماد کیا ہے اور انہی کے اقوال و مذاہب کو اختیار کیا ہے اس لئے ائمہ اربعہ میں بھی مسائل میں اختلاف واقع ہوا۔ اور صحابہؓ کے باہمی اختلاف کے متعلق حدیث ہے:

”سألت ربي عن اختلاف اصحابي“..... الخ .

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہؓ کے باہمی اختلاف کے متعلق پوچھا، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلایا کہ..... اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے صحابہؓ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے کہ ان میں بعض کی روشنی بعض سے زیادہ ہے۔ (مگر روشنی ہر ایک میں ضرور ہوتی ہے) جو شخص آپ کے صحابہؓ کے مسائل مختلفہ میں کسی مسلک کو اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴)

اور یہ اختلاف منی علی الاطلاق ہوتا ہے اس لئے مذموم نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعث رحمت ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”اختلاف امتی رحمة“ میری امت کا اختلاف

رحمت ہے، حدیث پاک میں جس اختلاف کو رحمت فرمایا ہے اس کا صحیح مصداق یہی صحابہؓ و ائمہ کا اختلاف ہے۔ صحابہؓ کے باہمی اختلاف کی بے شمار مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحابہؓ کے اختلاف کے چند نمونے ذکر فرماتے ہیں:

”وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسمة ومن لا يقرأ..... الخ

ترجمہ: صحابہؓ و تابعین میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں بعض ایسے تھے جو نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے اور بعض جہراً نہیں پڑھتے تھے اور بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔ بعض ہکھنہ لگانے، ہکیر پھونکنے اور تے کرنے کی وجہ وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے اور اس کو ناقض وضو نہیں سمجھتے تھے، بعض لوگ مس ذکر اور عورتوں کو شہوت سے ہاتھ لگانے کو ناقض وضو سمجھ کر وضو کرتے تھے اور بعض لوگ نہیں کرتے تھے، بعض لوگ آگ سے پکی ہوئی اشیاء کھانے کے بعد وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے، بعض لوگ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ مترجم ص ۶۱/۳۷۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ ”الاعتدال فی مراتب الرجال“ میں صحابہ کے باہمی اختلاف کی چند مثالیں بیان فرماتے ہیں:

(۱) شرمگاہ کو چھونے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔

(۲) سمندر کے پانی سے وضو کرنا جمہور صحابہؓ کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۳) جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال کرنا جمہور صحابہؓ کے نزدیک مستحب ہے حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک واجب ہے۔

(۴) حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ سختی سے اس کا انکار کرتی ہیں۔

(۵) امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ میں اختلاف تھا کہ

رمضان کے روزوں کی قضاء کا لگا تار رکھنا ضروری ہے یا الگ الگ رکھنا بھی جائز ہے۔

(۶) ایک بڑی جماعت کا صحابہؓ میں سے مذہب یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان میں سے حضرت انسؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن خلفائے راشدینؓ اور جمہور صحابہؓ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب ہے کہ تیمم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مذہب ہے کہ پہنچوں تک کافی ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ کا مذہب ہے کہ نمازی کے سامنے سے گدھا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کا مذہب ہے کہ نہیں ٹوٹی۔

(۹) اگر صرف دو مقتدی ہوں تو اکثر صحابہؓ کے نزدیک امام کو آگے کھڑا ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کے درمیان کھڑا ہونا چاہیے۔

(۱۰) الاعتدال فی مراتب الرجال المعروف بداسلامی سیاست ص ۲۰۲-۲۰۳

(۱۰) مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ غورتوں کو غسل کے وقت حکم کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں، یہ بات حضرت عائشہؓ نے سنی تو فرمایا: ابن عمرؓ سے تعجب ہے کہ وہ غورتوں کو سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے کا حکم کیوں نہیں دیتے، یقیناً میں اور رسول اللہ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ نہیں کرتی تھی کہ اپنے سر پر تین بار پانی بہالیا کرتی تھی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۲۳ ج ۱:۱)

(۱۱) جمہور کا مسلک یہ ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں اس کو رسول اللہ ﷺ نے اتفاقاً طور پر ایک امر عارض کی وجہ سے کیا تھا اور وہ یہ کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخارنے کمرور کر دیا اور یہ رمل کرنا سنت نہیں ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۲۳ ج ۱:۱)

اور بھی بے شمار مسائل ہیں کہ جن میں صحابہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین کا باہمی اختلاف ہے، ترمذی شریف کا مطالعہ کرنے والے بخوبی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ صحابہؓ کے مابین اختلاف کے وجوہ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اختلاف

کے وجہ کو بیان فرمانے کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

”وبالجملة فاختلفت مذاهب اصحاب النبی ﷺ واخذ عنهم التابعون وكذلك كل واحد ما تيسر له“..... الخ.

ترجمہ: حاصل کلام یہ کہ ان وجہ سے صحابہ کے مذاہب مختلف ہو گئے تھے اور ان سے تابعین نے اسی طرح حاصل کیا جس طرح جس کو توفیق ہوئی (تابعین نے) جس حدیث رسول کو اور جن مذاہب صحابہ کو سنا اس کو یاد کیا اور سمجھا اور جہاں تک ہوسکا مختلف امور کو جمع کیا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور بعض کو اپنی نظر میں ضعیف سمجھا اگرچہ وہ کبار صحابہ سے مروی تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کا مذہب، بیکہ وہ جنسی کیلئے تیمم کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جب عمارؓ اور عمران بن حصینؓ وغیرہ کی احادیث مشہور ہوئیں تو ان کو وہ مذہب ضعیف معلوم ہوا۔ اسی طرح تابعین میں سے ہر عالم کا ایک مذہب اس کے خیال کے موافق قائم ہو گیا۔ پس ہر شہر میں ایک امام قائم ہو گیا۔ جیسے مدینے میں سعید بن مسیب اور سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ ہوئے اور ان کے بعد وہیں مدینہ میں امام زہریؓ، قاضی یحییٰ ابن سعید اور ربیعہ ابن عبد الرحمن ہوئے۔ اور مکہ میں عطار ابن ابی رباح تھے۔ کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شععی تھے۔ بصرہ میں حسن بصریؓ تھے یمن میں طاؤس بن کیسان تھے۔ اور شام میں مکحول تھے پس خدا نے بہت سے قلوب کو ان کے علوم کا گرویدہ بنایا اور لوگوں نے نہایت رغبت سے ان سے حدیث، صحابہ کے فتویٰ اور اقوال اور خود ان کے مذاہب اور ان کی تحقیقات کو حاصل کیا اور ان سے مسائل کا استفسار کیا اور مسائل کا خوب ان میں تذکرہ۔ ہاتمام معاملات کے مرجع رہے۔ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کو مرتب کر دیا تھا، اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس اصول و قواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا۔

سعید بن مسیب اور ان کے اصحاب کا یہ مذہب تھا کہ فقہ میں حرمین کے علماء سب سے زیادہ پختہ ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد عبد اللہ بن عمرؓ، عائشہؓ، اور عبد اللہ بن عباسؓ کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں ان سب علوم کو انہوں نے بقدر استطاعت جمع کیا اور ان میں تفتیش کی نظر سے دیکھا جن مسائل میں علماء مدینہ کا اتفاق دیکھا ان کو خوب مستحکم طور سے اختیار کیا اور جو مسائل ان

کے نزدیک مختلف فیہ تھے ان میں سے قوی اور رائج کو اختیار کیا ان کے نزدیک ان کے رائج ہونے کی وجہ یہ یا تھی کہ اکثر علماء نے اس طرف میلان کیا تھا یا وہ کسی قیاس قوی کے موافق تھے یا کتاب وحدیث سے مصرح طور پر مستنبط ہوئے تھے یا اسی طرح کا کوئی اور امر تھا جب انہوں نے اپنے محفوظات میں مسئلہ کا جواب نہ پایا تو اس کو ان کے کلام سے حاصل کیا اور کتاب وسنت کے ایماء پر اور اقتداء کا تتبع کیا اسکی وجہ سے ہر ایک باب میں بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے۔ ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے شاگرد فقہ میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں جیسے علقمہؓ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قابل وثوق نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے کہا تھا کہ ابراہیم سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت عبداللہ بن عمرؓ میں نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہؓ عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی اصل عبداللہ بن مسعود کے فتوے، حضرت علیؓ کے فیصلے، قاضی شریحؒ اور دیگر قضاة کوفہ کے فتاویٰ ہیں۔ پس ان میں سے امام ابوحنیفہؒ نے بقدر امکان مسائل فقہیہ کو جمع کیا اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے تخریج کی تھی ایسے ہی کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی۔ پس ہر باب کے متعلق مسائل فقہ مرتب ہو گئے اور حضرت سعید بن مسیبؒ فقہائے مدینہ کی زبان تھے اور ان کو عمرؓ کے فیصلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث سب سے زیادہ یاد تھیں، اور ابراہیمؒ فقہائے کوفہ کی زبان تھے، پس جب وہ دونوں کوئی بات کہتے اور کسی کی جانب اس کو منسوب نہ کرتے تو وہ اکثر صراحتاً یا کنایہ یا کسی اور طرح سے سلف میں سے کسی کی طرف منسوب ہوتی تھی۔ پس فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا، ان سے علم حاصل کیا اور سمجھا اور اس علم کے ذریعہ دیگر مسائل کی تخریج کی۔“

(حجۃ اللہ البالغۃ مع ترجمہ نعمۃ اللہ السابغۃ ص ۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸ ج ۱)

باب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع

ائمہ کے باہمی اختلاف کی اور بھی بہت سی وجوہ ہیں جن کو مفصل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اختلاف ائمہ اور الاعتدال فی مراتب الرجال وغیرہ میں بیان کیا ہے اس لئے ائمہ کے باہمی اختلاف کی وجہ سے تشویش واقع

ہونے اور شکوک و شبہات پیدا کرنے اور اعتراض کرنے کا کوئی وجہ جواز نہیں۔ علامہ شعرانی ائمہ کے باہمی اختلاف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”عزیز من! اگر تو بہ نظر انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے گی، کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اور اس کے بعد کسی امام کے کسی مقلد پر بھی اعتراض کا خیال نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ امر ذہن نشین ہو جائیگا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں اور ان کے مختلف اقوال امت کیلئے رحمت ہو کر نازل ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہ جو علیم و حکیم ہیں ان کی مصلحت اسی امر کو مقتضی تھی، حق سبحانہ و تعالیٰ اگر اس کو پسند نہ فرماتے تو اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دیتے جس طرح کہ اصل دین میں اختلاف کو ممنوع قرار دیا۔ عزیز من! مبادا تجھ پر یہ امر مشتبہ ہو جائے کہ تو ائمہ کے فروعی اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ اور اس کے حکم میں سمجھنے لگے جس کی وجہ سے تیرا قدم میدان ہلاکت میں پڑ جائے، حضور اقدس ﷺ نے اس امت کے اختلاف فرعی کو رحمت قرار دیا ہے..... الخ (از اختلاف الائمہ ص ۳۳-۳۴)

یہ ہے ائمہ کے باہمی اختلاف کی وجہ علماء اکابر کی نظر میں۔ مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ غیر مقلدین ائمہ پر تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ ایک، رسول ایک، قرآن ایک، پھر مسائل میں اختلاف کیوں ہے؟ حالانکہ خود ان کے علماء میں بھی بے شمار مسائل میں اختلاف ہے، جب سب کچھ ایک ہے تو پھر تمہارے یہاں بھی یہ اختلاف کیسا؟

علمائے غیر مقلدین کے باہمی اختلاف کے چند نمونے ملاحظہ ہوں

(۱) علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلد اس کے قائل ہیں کہ ستر عورت نماز میں شرط نہیں ہے، اور وحید الزماں صاحب غیر مقلد اس کے قائل ہیں کہ ستر عورت نماز میں شرط ہے بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔ (ہدیۃ المہدی)

(۲) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد کے قول میں مؤذن کو اجرت دیکر رکھنا جائز نہیں ہے (بدورالاہلۃ ص ۴۶) اور مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس وقت جواز اخذ اجرت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۸۷)

(۳) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کے نزدیک مؤذن کا مذکر ہونا شرط ہے، (ہدیۃ المہدی) اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کے نزدیک شرط نہیں ہے بلکہ عورتوں مردوں کا ایک حکم ہے۔ (بدورالابلیہ ص ۳۶۷)

(۴) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد کہتے ہیں کہ اذان واجب ہے، (بدورالابلیہ ص ۳۶۷) اور مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ سنت ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۳۶۷)

(۵) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کے نزدیک رنڈی کی خرچی حرام ہے اور اس کے یہاں دعوت کھانا درست نہیں ہے۔ اس سے معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسرار اللغۃ پارہ دہم ص ۱۵۶ میں اسی کی تصریح ہے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری غیر مقلد کے نزدیک حلال ہے۔ اور توبہ اسکا ذریعہ ہے۔

(۶) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کے نزدیک قرآن وحدیث سے بیماریوں پر قیہ کرنا درست ہے اور دوسرے غیر مقلدین کے نزدیک ناجائز ہے۔ (اسرار اللغۃ پارہ دہم ص ۱۱۸)

(۷) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ اگر موافقت سے پہلے کسی نے احرام باندھ لیا تو جائز ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۹۶ ج ۶) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔ (بدورالابلیہ ص ۱۳۹)

(۸) نواب صاحب فرماتے ہیں کہ وطی سے حج باطل نہیں ہوتا (بدورالابلیہ ص ۱۴۱) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ باطل ہو جاتا ہے، آئندہ سال اعادہ کرے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۲۱۱ ج ۶)

(۹) مولوی بشیر قوجی کہتے ہیں کہ تراویح میں ختم کے دن تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھنا بدعت ہے وہ حافظ کو منع کر دیا کرتے تھے۔ مولوی وحید الزماں کہتے ہیں کہ بدعت نہیں جائز ہے۔ (اسرار اللغۃ ص ۳۶۷ پارہ چہارم)

(۱۰) نواب صدیق حسن خان صاحب کہتے ہیں کہ اذان وقت میں ہونی چاہئے وقت سے پہلے جائز نہیں، اور حضرت بلالؓ کی اذان شب میں ایفاظ نامہ وارجاع قائم کیلئے ہوتی تھی نماز فجر کے واسطے نہیں تھی (بدورالابلیہ ص ۴۷۲) لیکن مولوی وحید الزماں غیر مقلد کی رائے یہ ہے کہ فجر کے

لئے دواذائیں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ اسرار اللغہ میں مصرح ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۶۳۷)
 (۱۱) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں اسی طرح گانا بجانا تفریح طبع کے لئے مختلف فیہ ہے
 اور عید اور شادی اور خوشی کی رسموں میں بقول رائج جائز بلکہ مستحب ہے۔ (اسرار اللغہ پارہ ہشتم
 ص ۸۶) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد کہتے ہیں مزامیر وغیرہ حرام ہیں۔
 (بدور الاہلہ ص ۵۱۳) یہی مذہب ابن تیمیہ اور ابن قیم کا ہے۔

(۱۲) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں صحیح یہ ہے کہ فاتحہ جہراً (یعنی بلند
 آواز سے) نہ پڑھے (ہدیۃ المہدی ص ۲۲۱) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد فرماتے
 ہیں کہ جہر ثابت ہے۔ اور آہستہ پڑھنا مستحب نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۶۲)

(۱۳) نور الحسن غیر مقلد کہتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے (عرف الجاری
 ص ۱۱۲) لیکن عبدالجلیل سامرودی غیر مقلد کہتے ہیں کہ جائز نہیں کیونکہ صحاح ستہ میں اس کا
 ذکر نہیں۔ (العذاب المہین ص ۵۲)

(۱۴) مولوی وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں (بدور الاہلہ
 ص ۱۰۳) اور مولوی عبدالجلیل غیر مقلد کہتے ہیں کہ مال تجارت میں عامۃً الحجۃ کے نزدیک
 زکوٰۃ واجب ہے۔ (العذاب المہین ص ۲۸-۲۹)

(۱۵) مولوی وحید الزماں الحجۃ فرماتے ہیں کہ آجکل مولود مروجہ پر انکار جائز نہیں، (ہدیۃ
 المہدی ص ۱۱۸) لیکن مولوی ثناء اللہ ابجدیٹ فرماتے ہیں کہ بدعت ہے۔ (الحجۃ کا مذہب
 ص ۳۳)

(۱۶) نواب صدیق حسن خان ابجدیٹ کے نزدیکی چاندی اور سونے کے زیور میں زکوٰۃ واجب
 نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۰۱) لیکن مولوی وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں دلیل کے اعتبار سے
 وجوب قوی ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۵۹: ۶۰)

(۱۷) نواب صدیق حسن خان ابجدیٹ فرماتے ہیں، قبلہ دین مددے، کعبہ ایمان مددے،
 ابن قیم مددے، قاضی شوکانی مددے (یہ کہنا جائز ہے)..... (ہدیۃ المہدی ص ۲۳: ۱-۱) فتح
 الطیب ص ۴) لیکن مولوی ثناء اللہ امرتسری اس کو ناجائز اور شرک قرار دیتے ہیں۔ (الحجۃ کا

مذہب از صفحہ ۱۲۷

(۱۸) نواب صدیق حسن خان صاحب الہدیث قبلہ و کعبہ لکھنا جائز سمجھتے ہیں چنانچہ عبارت نمبر ۱۱ اس پر شاہد ہے لیکن مولوی عبد الجلیل صاحب غیر مقلد اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ (العذاب المہین ص ۱۰۰)

(۱۹) داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ غسل کے بعد وضو کرنا چاہیئے اور صاحب ہدیۃ المہدی وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نہیں کرنا چاہیئے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۲۲)

(۲۰) مولوی عبد الجلیل سامرودی غیر مقلد کہتے ہیں کہ مسافر کی مقیم کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (العذاب المہین ص ۱۷) لیکن علی حسن خان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ ہرگز اقتداء نہ کرے، مجبوری ہو تو پچھلی دو رکعتوں میں شریک ہو۔ (البدیان المخصوص ص ۱۶۳)

(۲۱) نور الحسن غیر مقلد کہتے ہیں مشیت زنی جائز ہے۔ (عرف الجاری ص ۲۱۴) لیکن مولوی عبد الجلیل صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں کہ مشیت زنی جائز نہیں۔ (العذاب المہین ص ۵۳)

(۲۲) مولوی وحید الزمان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کو نداء کرنا مطلقاً جائز ہے (ہدیۃ المہدی ص ۲۳) مولوی ثناء اللہ اس کو شرک فرماتے ہیں۔ (الہدیث کا مذہب ص ۱۹)

(۲۳) مولوی وحید الزمان غیر مقلد کہتے ہیں کہ غسل میں بدن کا ملنا مستحب ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۲۱) اور نواب صاحب الہدیث فرماتے ہیں کہ واجب ہے چار تکبیروں سے سداکم و بیش۔ (بدور الابلہ ص ۳۱)

(۲۴) مولوی وحید الزمان غیر مقلد کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں چار پانچ سے زیادہ تکبیریں کہنا جائز ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۲۱) نواب صاحب الہدیث فرماتے ہیں کہ چار تکبیروں سے قصداً کم و بیش کرنا بدعت ہے۔ (بدور الابلہ ص ۹۱)

چوتھا اشکال:

غیر مقلدین کا اسی سے ملتا جلتا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ چاروں مذہب کس طرح حق ہو تے ہیں اس لئے کہ حق متعدد نہیں ہوتا صرف ایک ہی ہوتا ہے لہذا سب کی بات غلط ہے اور

تقلید شرعی کی ضرورت

بہتر یہی ہے کہ تقلید کا قلاوہ گردن سے نکال کر براہ راست قرآن و حدیث پر اپنی فہم و سمجھ کے مطابق عمل کیا جائے۔

جواب: یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا مآخذ اور مرجع ایک ہی ہے اس لئے سب کو ناحق سمجھنا گویا قرآن و حدیث ہی کو موجب ضلالت و گمراہی قرار دینا ہے۔ (معاذ اللہ) اس لئے یہ خیال بالکل گمراہ کن ہے۔ کعبۃ اللہ کی چار سمتیں ہیں (مشرق، مغرب، شمال و جنوب) اور ان چار سمتوں میں بسنے والے لوگ اپنی اپنی سمت کے اعتبار سے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں، ہر ایک کی سمت دوسرے سمت والے کے اعتبار سے مخالف ہے مگر اس کے باوجود سب کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سمتیں اگرچہ مختلف ہیں مگر سب کا مرکز ایک ہی کعبۃ اللہ ہے، اسی طرح متداول مذاہب اربعہ کا مرجع اور مآخذ ایک ہی ہے وہ سب قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اس لئے مذاہب اربعہ صحیح کہلائیں گے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک امام کبھی آیات محتمل المعانی میں سے ایک معنی کو بقرائن و شواہد رائج کر کے اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا اس معنی کو مرجوح قرار دیکر ترک کر دیتا ہے، اسی طرح وہ احادیث جو بظاہر متعارض ہیں ایک امام اپنی تحقیق و تفتیش کے مطابق حسب قواعد و ضوابط ایک حدیث کو ترجیح دے کر اس کو معمول بہ قرار دیتا ہے اور دوسرا امام اسی حدیث کو اپنے اصول و قواعد اور اپنی تحقیق و اجتہاد سے مرجوح قرار دیتا ہے اور دوسری حدیث کو رائج قرار دیکر اس کو اپنے مسئلہ کی بنیاد بناتا ہے، کبھی ایک امام حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتا ہے اور دوسرا امام دوسری نصوص کو سامنے رکھ کر حدیث کی مراد تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے اور اس مراد پر عمل پیرا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، اور اس کی مثالیں تعامل صحابہ میں بھی ملتی ہیں۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے واقعہ میں صحابہؓ سے فرمایا ”لایصلین احدکم الا فی بنی قریظہ“ تم میں سے کوئی شخص نماز عصر بنی قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے، راستہ میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، صحابہؓ کی رائیں مختلف ہو گئیں، ایک جماعت نے حضور ﷺ کے فرمان مبارک کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ ہم راستہ میں نماز عصر نہ پڑھیں گے اور بعض حضرات نے کہا کہ ہم تو یہیں نماز پڑھیں گے، حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ جلدی جلدی سے بنی قریظہ پہنچ جائیں (بہر حال ہر

تقلید شرعی کی ضرورت

ایک نے اپنی فہم اور اجتہاد کے موافق نماز پڑھی (بعد میں یہ واقعہ حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا آپ ﷺ نے کسی پر تکبر نہیں فرمائی اور کسی پر ملامت نہیں کی۔

(بخاری شریف ص ۵۹۱، المجتہاد فی التقليد ص ۸)

مذکورہ واقعہ میں ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کر کے نماز نہ پڑھی اور دوسری جماعت نے اجتہاد کیا اور اس کے بعد حدیث کی جو مراد ان کی سمجھ میں آئی اس پر عمل کیا اور نماز پڑھ لی، حضور اقدس ﷺ نے کسی کی تغلیط نہیں فرمائی، سب کی نماز کو صحیح قرار دیا۔

(۲) نسائی نے حضرت طارقؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص جنبی ہو گیا اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے نہ غسل کیا نہ تیمم کیا اور نہ نماز پڑھی، بعد میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا قصہ بیان کیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکی تصویب فرمائی۔ دوسرے ایک صحابی کو ایسا ہی واقعہ پیش آیا انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا عمل بیان کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بھی تصویب فرمائی۔ غور کیجئے! دونوں حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور بظاہر دونوں کے عمل میں تضاد ہے مگر حضور اقدس ﷺ نے کسی تغلیط نہیں فرمائی یہی حال ائمہ اربعہ کا ہے۔ اور جیسے حضور ﷺ کی ہدایت ہے کہ تاریک رات میں (یا جنگل میں) جب قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ تخری کرے اور جس طرف تخری واقع ہو اور قبلہ ہونے کا گمان غالب ہو جائے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے، اب مثلاً چند افراد ہیں اور سب نے اپنی اپنی تخری کے موافق چار سمتوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو باوجود اختلاف کے از روئے حدیث سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، یہی حال ائمہ اربعہ کا ہے کہ سب قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرتے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو چونکہ ماخذ و مرجع ایک ہی ہے اس لئے سب کا عمل صحیح کہلائے گا، ہاں اصابت حق صرف ایک کو حاصل ہوگا مگر عند اللہ سب ماجور ہوں گے، البتہ مصیب کو دوا ہر اثواب (اجر) ملے گا (ایک سعی کا دوسرا اصابت حق کا) اور تخطی کو ایک اجر ملے گا، صحیحین میں حدیث ہے:

”اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا اجتهد فأخطأ فله اجر واحد“۔

تقلید شرعی کی ضرورت

یعنی جب شرعی حکم لگانے والا کوشش کرتا ہے اور صحیح بات کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کو دو ہر ا ثواب ملتا ہے اور جب کوشش کرتا ہے اور حق کو نہ پاسکا تو اس کو اکبر ا ثواب ملتا ہے۔
ظاہر بات ہے کہ ثواب کا ملنا کم ہو یا زیادہ یہ عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل ہے لہذا چاروں مذاہب عند اللہ مقبول ہیں اور حق کس کو حاصل ہوا اس کا علم خدا ہی کو ہے لیکن چونکہ ہر ایک امام نے اصابت حق کی سعی کی ہے اس لئے ہر ایک کا اپنے کو حق پر کہنا بھی صحیح ہے۔

واللہ اعلم

پانچواں اشکال:

ان کا ایک گھسا پٹا اعتراض یہ بھی ہے کہ جب چاروں مذاہب حق ہیں تو ایک ہی کا پابند رہنا کیوں ضروری ہے؟

اس کا جواب اور اوراق سابقہ میں تقلید کے ثبوت میں ضمناً گزر چکا ہے، مختصر ا یہ کہ اگر ایک شخص کو یہ اجازت ہو جائے کہ جب چاہے عمل کیلئے کسی امام کا قول اختیار کرے اور دوسری مرتبہ کسی اور کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں احکام شرع کی پابندی نہ ہوگی، نفس کا اتباع ہوگا اور اس کا نفس جو پسند کرے گا اس پر عمل کریگا اور مسائل شریعت باز حیحہ اطفال بن جائیں گے، مسائل اجتہاد یہ میں مثلاً اگر وہ ایک سال امام شافعی کی پیروی کر کے مینڈک وغیرہ کو حلال جانے اور اس کو کھائے اور اس کے بعد امام شافعی کی اس مسئلہ میں پیروی چھوڑ کر امام ابو حنیفہ کا مقلد بن کر مینڈک وغیرہ کو حرام کہے تو اس آیت کا مصداق ہوگا، ”یحلونه عاماً ویحرمونه عاماً“ کہ ایک سال کفار حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام بنا لیتے ہیں، وہ بھی اسی طرح خلط ملط کرنے لگے گا اور اس خلط ملط کو اصطلاح شرع میں ”تلفیق“ کہتے ہیں اور تلفیق جمہور محققین کے نزدیک مذکورہ آیت کے پیش نظر حرام ہے، علاوہ ازیں جب مسائل اجتہاد یہ اختلا فیہ میں کچھ دن امام شافعی کے مذاہب پر عمل کیا تو اس کے پاس اس کے حق ہونے کی کیا دلیل اور حجت شرع تھی؟ اس کے بعد اس کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا تو جس مسلک کو چھوڑا اس میں کیا نقص اور خامی تھی؟ اور علم نہ ہوتے ہوئے اس کے باطل ہونے پر کیا دلیل شرعی قائم کی؟ اگر کسی

شخص کے سمجھانے سے تبدیل مذہب کیا ہے تو یہ تقلید ہے۔ پانچویں مذہب کی جس کے حق ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہے اور یہی صورت دین کو کھلوانا بنا ہے، اس لئے پوری امت نے ایک ہی مذہب کی پابندی (یعنی تقلیدِ شخصی) کو ضروری قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) ضرورتِ تدوینِ فقہ

(۳) اسلام آباد میں مذہبِ حنفی کا رواج

امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، سید الفقہاء والحمد للہ، حافظِ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ اعلیٰ درجہ کے مجتہد، محدث، ثقہ، صدوق، زاہد، خاشع اور متورع تھے۔ ان کے مناقب اور فضائل میں کبار محدثین اور علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ رطب اللسان ہیں اور ہزار ہا رسائل تصنیف فرما چکے ہیں، مثلاً:

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، تالیف ابن حجر مکی۔

مناقب الامام الاعظم: تالیف موفق بن احمد مکیؒ۔

مناقب الامام الاعظم تالیف ابن البزار الکردیؒ۔

عقود الجمان تالیف حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعیؒ۔

تبیین الصحیفۃ تالیف علامہ سیوطیؒ۔

الانتصار لامام ائمۃ الامصار علامہ سبط ابن الجوزیؒ۔

اخبار ابی حنیفہؒ واصحابہ تالیف ابو عبد اللہ حسین بن علی صمیریؒ۔

وغیرہ وغیرہ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حدائق حنفیہ ص ۸۱-۸۲-۸۳)

ائمہ میں امام اعظم آپ کا لقب تھا، علماء و محدثین کا بہت بڑا گروہ آپ کے ماننے والوں میں

رہا ہے اور امت محمدیہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپؐ کے پیچھے چل رہا ہے، آپؐ عہد صحابہؓ میں پیدا ہوئے، ورع، اور تقویٰ، جو دو سنا، علم و فضل کے جملہ کمالات آپؐ میں موجود تھے۔ آپؐ کا اصلی وطن کوفہ ہے اس وقت حدیث کا سب سے زیادہ بڑا مرکز تھا کیونکہ کوفہ میں ہزاروں صحابہؓ قیام رہ چکا ہے، ایک ہزار سے زیادہ فقہاء پیدا ہوئے، جن میں تقریباً ڈیڑھ سو صحابہؓ تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی وہاں قیام فرما چکے تھے، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چار ہزار سے زیادہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے آٹھ سو سے زیادہ شاگرد تھے، امام صاحبؒ کی تعلیم و تربیت اتنے بڑے علمی مرکز میں ہوئی اور علماء حرمین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے۔

امام صاحبؒ کے متعلق حدیثی بشارت:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت ابو ہریرہؓ اسکے راوی ہیں، فرماتے ہیں:

”قال رسول الله ﷺ: لو كان الايمان عند الثريا لينهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتى يتناولوه“.

(مسلم شریف ص ۳۱۲ ج ۲۔ بخاری شریف ص ۷۲۷)

یعنی اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے حاصل کریگا۔

علامہ شامیؒ بروایت ابونعیم عن ابی ہریرہؓ اور بروایت شیرازی عن قیس بن سعد بن عبادہؓ حدیث کے الفاظ یہ نقل فرماتے ہیں:

”ان النبي ﷺ قال لو كان العلم معلقاً لثريا لنتاوله رجال من ابناء فارس (او قال لتناولوه قوم من ابناء فارس)۔

حضور اقدس ارشاد فرماتے ہیں اگر علم ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اس کو ابناء فارس کی ایک قوم (کچھ لوگ) ضرور حاصل کریگی۔

(شامی ص ۴۹ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے معجم طبرانی میں اس طرح مروی ہے اگر دین ثریا پر بھی معلق ہوگا

تو اس کو کچھ لوگ ابنائے فارس میں سے ضرور حاصل کریں گے۔ ان احادیث کے متعلق جن کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور دیگر محدثین نے روایت کی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا صحیح مصداق امام ابوحنیفہؒ ہیں، علامہ سیوطیؒ کے اس قول کے متعلق ان کے ایک شاگرد فرماتے ہیں:

”ما جزم به شیخنا من ان ابا حنیفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس في العلم مبلغه

یعنی وہ بات جو ہمارے شیخ علامہ سیوطیؒ نے فرمائی ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہؒ ہیں بالکل صحیح ہے، اس لئے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی بھی عالم امام ابوحنیفہؒ کے برابر کا نہ ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہؒ کو قرار دیا ہے۔

(مکتوبات شاہ ولی اللہ، مکتوب یازدہم ص ۷۷ مطبع مطلع العلوم مراد آباد)

صاحب غایۃ الاوطار فرماتے ہیں:

”بالیقین معلوم ہوا کہ صحیحین کی حدیث مذکور (لوکان العلم... أو الایمان) عند الثریا لالذ رجال من فارس) کا محمل صحیح امام اعظم اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ اہل فارس میں ان سے زیادہ تر (بڑھکر) کوئی عالم، عالی فہم، دقیقہ رس نہیں ہوا، تو امام کے واسطے یہ بشارت اور فضیلت عظیم الشان ہے۔

(غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار ص ۲۳۶ جلد اول)

امام صاحبؒ تابعی ہیں:

آپؒ کا تابعی ہونا مشہور اور مسلم ہے۔ علامہ ابن حجر کی بیٹھی ”الخیرات الحسان“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وفی فتاویٰ الشیخ الامام ابن حجر انه ادرک جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة بعد مولده بها سنة ثمانین فهو من طبقة التابعین ولم یثبت ذلک لاحد من ائمة الامصار المعاصرین له کالاوزاعیؒ بالشام والحمادین بالبصرة

والثوری بالكوفة ومالك بالمدينة الشريفة والليث بن سعد بمصر ... انتهى...
وحینئذ فهو من اعيان التابعين..... الخ.

یعنی شیخ الاسلام علامہ ابن حجرؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ انہوں نے (یعنی امام ابوحنیفہؒ نے) ۸۰ھ میں اپنی پیدائش کے بعد کوفہ میں جو صحابہؓ کی ایک جماعت مقیم تھی ان کو پایا ہے (یعنی دیکھا ہے) اس لئے تابعین کے طبقہ میں ان کا شمار ہوتا ہے اور یہ شرف آپؒ کے معاصر ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا، جیسے شام میں امام اوزاعیؒ تھے، بصرہ میں دو حماد تھے کوفہ میں امام ثوری رحمہ اللہ، مدینہ منورہ میں امام مالکؒ، مصر میں امام سعد بن لیثؒ تھے۔ اس بناء پر آپؒ اجل تابعین میں سے ہیں۔

(الخیرات الحسان ص ۲۱۸۔ الفصل السادس)

آپؒ کے ثقہ، صدوق اور جید الحفظ ہونے کے متعلق اور آپؒ کی تعدیل و توثیق میں بڑے بڑے نقادین اور کبار محدثین نے بھی بہت کچھ بیان کیا ہے، موقع کی مناسبت سے چند کبار محدثین (جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث اور ائمہ بجرح و تعدیل ہیں) کا بیان ہم نقل کرتے ہیں:

(۱) سید الحفاظ امام یحییٰ بن معین متوفی ۲۴۳ھ:

آپؒ مشہور بزرگ، محدث اور فن رجال کے بحر عالم تھے، امام بخاریؒ وغیرہ کے استاذ ہیں، جن کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کو سوائے یحییٰ بن معین^(۱)؟..... (علی بن مدینی).... کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا، آپؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی اعلیٰ درجہ کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے، ایک مرتبہ آپؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

”ثقة مامون ماسمعت احداً ضعفه“.

وہ ثقہ تھے (حدیث میں) مامون تھے۔ میں نے کسی محدث کو ان کی تضعیف کرتے ہوئے نہیں سنا۔
(عمدة القاری شرح صحیح بخاری ص ۶۶ ج ۳)۔
اور فرماتے تھے:

(۱) مفتی صاحب رحمہ اللہ سے یہاں تسامح ہوا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا قول مذکور علی بن المدینی کے متعلق ہے (دول الاسلام للذہبی ج ۱، ص ۱۰۳، ط دائرة المعارف حیدرآباد دکن)۔

”القراءة عندی قراءة حمزة والفقہ فقہ ابی حنیفہ“۔

میرے نزدیک قراءتوں میں حمزہ کی قراءت اور فقہ میں ابوحنیفہ کی فقہ عمدہ ہے۔

(الخیرات الحسان ص ۳۱۸)

(۲) امام نقدر جال یحییٰ بن سعید قطان متوفی ۱۹۸ھ:

بڑے محدث ہیں، فن رجال کے ماہرین میں سے ہیں، امام احمد اور علی بن مدینی ان کے شاگرد ہیں اور عمر سے مغرب تک جو ان کے درس کا وقت تھا درس میں مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کیا کرتے تھے، امام قطان باوجود اس فضل و کمال کے امام اعظمؒ کے درس میں شریک ہوتے تھے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے اور آپؒ نے اکثر مسائل میں امام صاحبؒ ہی کی تقلید کی ہے، تمام کتب صحاح میں ان سے روایات ہیں، آپ امام صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) ”ما سمعنا احسن من رأى ابی حنیفہ ومن ثمہ کان یذهب فی الفتوی الی“

قولہ“۔

یعنی ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو صاحب الرائے نہیں پایا اور اسی بناء پر آپؒ انہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

(الخیرات الحسان ص ۳۱۸)

(۲) ”جالسنا واللہ ابا حنیفہ وسمعنا منه وکنت واللہ اذا نظرت الیه عرفت فی

وجهه انه یتقی اللہ عزوجل“۔

واللہ ہم امام ابوحنیفہؒ کی مجالس میں بیٹھے ہیں اور ان سے استفادہ کیا ہے اور اللہ جب بھی ان کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا تھا تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ عزوجل کے خوف و خشیت سے پوری طرح متصف ہیں۔

(موفق ص ۱۹۱ ج ۱)

(۳) ”لیس للناس غیر ابی حنیفہ فی مسائل تنوبهم قال وکان فی اول امره لم

یکن کل ذاک ثم استعجل امره بعد ذلک وعظم“۔

لوگوں کو جو مسائل پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے کے واسطے امام ابوحنیفہؒ کے سوا دوسرا نہیں ہے،

پہلے پہل امام صاحبؒ کے علمی کمالات زیادہ نمایاں نہ تھے پھر یکدم بڑی تیزی سے ان کی قدر و منزلت اور عظمت ترقی کرتی گئی۔
(موفق ص ۴۵ ج ۲)

(۳) امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ متوفی

۱۸۱ھ

آپ ائمہ کبار میں سے ہیں اور فی حدیث کے رکن اعظم ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین عظام کے استاذ ہیں۔ امام بخاریؒ نے سب سے پہلے عبداللہ بن مبارکؒ ہی کی کتابیں یاد کی تھیں، مسلمؒ طور پر آپ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے بے شمار احادیث ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ جب امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے وفور علم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آخری عمر تک آپ سے جُدا نہ ہوئے اور امام صاحب کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی بڑے وقیع الفاظ میں مدح، تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

(۱) کان احفظ لاحادیث رسول اللہ ﷺ وسمع من الامام الکثیر وکان یحث الناس علی اتباعه قال کنا نختلف الی مشایخ الحجاز والعراق فلم یکن مجلس اعظم بركة ولا اکثر نفعاً من مجلس الامام.

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رسول اللہ کی احادیث کے بڑے حافظ تھے اور آپ نے امام صاحب سے بہت سی احادیث سنی ہیں۔ آپ لوگوں کو امام صاحب کی اتباع کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم حجاز اور عراق کے مشائخ کی مجالس میں آتے جاتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کی مجلس سے زیادہ کوئی مجلس بابرکت اور نفع بخش نہیں دیکھی۔ (مناقب کردری ص ۱۰۳ ج ۱)

(۲) قال اختلفت الی البلاد فلم اعلم باصول الحلال والحرام حتی لقیته.
میں تمام شہروں میں علم کی طلب کے لئے گیا ہوں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کی ملاقات سے قبل تک حلال و حرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا۔
(کردری ص ۱۰۳ ج ۱)

(۳) جالسٹ الناس فلم أر احداً اعلم بالفتویٰ منه.

میں علماء کی مجالس میں بیٹھا ہوں۔ لیکن آپ سے بڑھ کر کسی کو تقویٰ دینے کے قابل نہیں دیکھا۔
(کردری ص ۱۰۳ ج ۱)

(۴) لولا مخافة الافراط ما قدمت عليه احدا من العلماء.

اگر مجھے (لوگوں کی طرف سے) افراط کا الزام دیئے جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں امام صاحبؒ پر کسی کو ترجیح نہ دیتا۔
(کردری ص ۱۰۳ ج ۱)

(۵) غَلَبَ عَلَى النَّاسِ بِالْحِفْظِ وَالْفَقْهِ وَالْعِلْمِ وَالصِّيَانَةِ وَالِدِيَانَةِ وَشِدَّةِ الْوَرَعِ.
آپ نے اپنے حفظ، فقہ، علم، احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پالیا۔
(جامع بیان العلم وفضله بحوالہ تقلید ائمہ ص ۱۱۳)

(۶) كَانَ أَفْقَهُ النَّاسِ مَا رَأَيْتُ أَفْقَهُ مِنْهُ.

امام ابوحنیفہؒ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔
(الخیرات الحسان ص ۲۹)

(۷) اِنْ اَحْتِیَجَ لِلرَّأْيِ فَرَأَى مَالِكًا وَسَفِيَّانًا وَابِي حَنِيفَةً وَهُوَ أَفْقَهُهُمْ وَأَحْسَنُهُمْ وَاغْوَصَهُمْ فِطْنَةً وَاغْصَهُمْ عَلَى الْفَقْهِ.

اگر رائے کی ضرورت ہو تو مالکؒ، سفیانؒ، اور ابوحنیفہؒ کی رائے کو لینا چاہئے اور ابوحنیفہؒ ان میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں اور ان کی سمجھان سب میں فقہ کے اندر اچھی باریک اور گہری ہے۔
(الخیرات الحسان ص ۲۹ فصل ۱۳)

(۸) لَيْسَ أَحَدٌ أَحَقَّ أَنْ يَقْتَدَى بِهِ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ كَانَ إِمَامًا تَقِيًّا وَرَعًا عَالِمًا فَكَيْفَ كَشَفَ الْعِلْمَ كَشْفًا لَمْ يَكْشِفْهُ أَحَدًا بِبَصَرٍ وَفَهْمٍ وَفِطْنَةٍ.

یعنی امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی لائق اقتداء نہیں۔ کیونکہ وہ امام متقی، خدا ترس عالم اور فقیہ تھے علم کو اپنی بصیرت، سمجھ اور عقل سے ایسا منکشف کیا کہ کسی نے نہیں کیا۔

(الخیرات الحسان ص ۲۹ فصل ۱۳)

(۴) امام اعمش کوئی متوفی ۱۳۸ھ علی قول:

کوفہ کے جلیل القدر محدث و فقیہ تابعی تھے اور محدثین کے شیخ اشبوخ ہیں۔ باوجودیکہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے۔ مگر امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔ ایک مرتبہ کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو بے تکلف فرمایا۔ اس مسئلے کا بہترین جواب ابو حنیفہ ہی دے سکتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا:

”وَإِظْنُ أَنْهُ بَوْرَكٌ فِي الْعِلْمِ“

میں خیال کرتا ہوں خدا نے ان کے علم میں بڑی برکت دی ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۱۳)

(۲) ایک بار امام صاحب سے چند مسائل میں گفتگو کی۔ آپ نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا فلاں احادیث سے جو آپ ہی سے سنی تھیں۔ امام صاحب اس پر اور متحیر ہوئے اور فرمایا بس کافی ہے آپ نے تو حد ہی کر دی، میں نے جو احادیث سودن میں تم سے بیان کی تھیں وہ آپ نے ایک ہی ساعت میں سنا دیں۔ مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں۔ اور فرمایا:

”يَا مَعْاشِرَ الْفُقَهَاءِ أَنْتُمْ الْأَطْبَاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ“

اے گروہ فقہاء واقعی ہم لوگ عطار (دوا فروش) ہیں اور آپ لوگ طبیب ہو۔

(الخیرات الحسان ص ۶۱ فصل ۳۰)

(۵) امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ:

ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ میں سے ہیں۔ سفیان ثوریؒ ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ حضرت شعبہ امام صاحب کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے، موفق میں ہے:

(۱) كَانَ شُعْبَةُ إِذَا سُئِلَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَطْنَبَ فِي مَدْحِهِ وَكَانَ يَهْدِي إِلَيْهِ فِي كُلِّ

عَامٍ طَرَفَةً.

جب امام شعبہ سے ابو حنیفہ کے متعلق پوچھا جاتا تو امام صاحب کی تعریف و توصیف کرتے اور ہر سال امام صاحب کے لئے نیا تحفہ بھیجتے۔ (موفق ص ۴۶ ج ۲)

(۶) جب آپ کو امام صاحب کی وفات کی خبر پہنچی تو اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور فرمایا:

”طفیء عن الکوفۃ نور العلم اما انہم لایرون مثله ابدا“۔

آج کوفہ کا چراغ علم گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو قیامت تک آپ کی نظیر نہ ملے گی۔

(الخیرات الحسان ص ۶۴ فصل ۳۲)

(۶) امام حدیث علی بن مدینیؒ، متوفی ۲۴۳ھ:

اتنے بڑے امام فن ہیں کہ ان کی شاگردی امام بخاریؒ، امام ابوداؤدؒ جیسے کبار محدثین نے کی ہے۔ بڑے بڑے محدثین آپ کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

”ابوحنیفہ روی عنہ الثوری وابن المبارک وحمّاد بن زید وھشام ووکیع وعباد بن العوام وجعفر بن میمون وھو ثقۃ لا بأس بہ“۔

یعنی ابوحنیفہؒ سے سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، حماد بن زیدؒ، ہشام، وکیع، عباد بن عوام اور جعفر بن میمون نے (جو سب کے سب پیشوائے محدثین اور صحاح ستہ کے ائمہ میں سے ہیں) روایت حدیث کی ہے۔ اور وہ ثقہ ہیں۔ (امام ابوحنیفہؒ میں اصول جرح و تعدیل کی رو سے) کوئی عیب نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۷)

(۷) امام حدیث سفیان ثوریؒ، متوفی ۲۵۵ھ:

آپ نہایت عظیم المرتبت شخص ہیں۔ اپنے زمانے کے بڑے درجہ کے محدث تھے۔ خطیب نے لکھا ہے کہ ان کی امامت، پختگی، ضبط، حفظ، معرفت، زہد و تقویٰ پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام صاحبؒ بھی ان کے قدردان تھے۔ اور بڑی تعریف کرتے تھے۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) کان واللہ شدیداً لاخذ للعلم ذاباً عن المحارم لا یاخذ إلا بما صحّ عنہ علیہ

السّلام شدید المعرفة بالناسخ والمنسوخ وکان یطلب احادیث الثقات

والاخير من فعل النبي عليه الصلوة والسلام.

یعنی بخدا امام ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بڑے مستعد اور منہیات کی روک تھام کرنے والے تھے۔ وہی حدیث لیتے تھے جو حضور اکرم ﷺ سے پایہ صحت کو پہنچ چکی ہو۔ مانع و منوع کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے۔ اور وہ قابل اعتماد حضرات کی روایات اور آپ ﷺ کے آخری عمل کی تحقیق و تلاش میں رہتے تھے۔ (کردری ص ۱۰ ج ۲، الخیرات الحسان ص ۳۰)

(۲) عن محمد بن المنتشر الصنعاني قال كنت اختلف اليهما فاذا جئت لابي حنيفة قال لي من اين اقبلت قلت من عند سفیان فيقول جئت من عند رجل لو كان علقمة والاسود حيين لاحتاجا اليه واذا اتيت سفیان قال جئت من اين؟ قلت جئت من عند ابي حنيفة قال جئت من عند الفقه اهل الارض.

یعنی محمد بن منتشر صنعانی فرماتے ہیں کہ میں ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ جب ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو فرماتے کہاں سے آرہے ہو؟ میں کہتا سفیان کے پاس سے۔ آپ فرماتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر علقمہ اور اسود بھی موجود ہوتے تو وہ ان کے محتاج ہوتے۔ اور جب سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آرہے ہو؟ میں کہتا ابوحنیفہ کے پاس سے۔ فرماتے تم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہو کہ روئے زمین پر ان جیسا کوئی فقیہ نہیں۔ (کردری ص ۱۱ ج ۲)

(۳) كان السورى اذا سئل عن مسئلة دقيقة يقول ما كان احد يحسن ان يتكلم فى هذا الامر الا رجل قد حسدناه ثم يسئل اصحاب ابي حنيفة ما يقول صاحبكم فيحفظ الجواب ثم يفتى.

سفیان ثوریؒ سے جب کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم حسد کرتے ہیں (یعنی امام ابوحنیفہؒ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے دریافت کرتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاذ کا کیا قول ہے اور وہ جو جواب دیتے اس کو یاد کر کے اس کے موافق فتویٰ دیتے۔ (موفی ص ۱۴ ج ۲)

(۸) محدث شہیر یزید بن ہارون متوفی ۲۰۶ھ:

اپنے زمانہ کے امام کبیر محدث وثقہ تھے۔ امام اعظمؒ، امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے شاگرد ہیں۔ یحییٰ بن معین، علی بن مدینی وغیرہ شیوخ کے استاذ ہیں تلامذہ کا شمار بھی۔ ستر ہزار ایک وقت میں ہوتے تھے۔ چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز ادا کی (بحوالہ انوار الباری ص ۸۰ مقدمہ حصہ اول) آپ امام صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) کتب عن الف شیخ حملت عنهم العلم فما رأيت والله فيهم اشد ورعاً من ابی حنیفة ولا احفظ للسانہ.

میں نے ہزار ہا شیوخ سے علم حاصل کیا۔ لیکن خدا کی قسم میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو متقی اور زبان کا سچا نہیں پایا۔ (موفق ص ۱۹۵ ج ۱)

(۲) أنبا محمد بن سعد ان سمعت من حضر يزيد بن هارون وعنده يحيى بن معين وعلي بن المدنى واحمد بن حنبل وزهير بن حرب وجماعة آخرون اذ جاءه مستفت فساله عن مسئلة قال فقال له يزيد اذهب الى اهل العلم قال فقال له ابن المدينى اليس اهل العلم والحديث عندك قال: اهل العلم اصحاب ابى حنیفة وانتم صیادلة.

یعنی: ایک دن یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین اور امام احمدؒ وغیرہ موجود تھے۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اہل علم کے پاس جا کر دریافت کر لو۔ علی بن مدینی بولے کیا آپ کے پاس اہل علم نہیں؟ فرمایا اہل علم اصحاب ابوحنیفہؒ ہیں۔ تم تو عطار (دوا فروش) ہو۔ (موفق ص ۲۰۷ ج ۲)

(۳) وسئل متى يحل للرجل ان يفتي فقال اذا كان مثل ابى حنیفة..... الخ
کسی نے پوچھا ایک عالم فتویٰ دینے کے کب قابل ہوتا ہے؟ فرمایا جب وہ امام ابوحنیفہؒ جیسا ہو جائے۔ ان سے کہا گیا آپ عجیب بات کہتے ہو؟ فرمایا ہاں، بلکہ اس سے زیادہ مجھے آپ کی تعریف کرنا چاہئے۔ میں نے ان سے بڑا کسی کو عالم، فقیہ اور متوزع نہیں دیکھا۔ ایک روز میں نے

ان کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازے کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ میں نے عرض کیا سائے میں ہو جاتے۔ فرمایا۔ اس گھر والے پر میرے کچھ روپے قرض ہیں۔ اس لئے اس کے گھر کے سائے میں بیٹھنا مجھے ناپسند ہوا۔ یزید بن ہارون نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا: وائی ورع اکبر من هذا؟ بتاؤ اس سے بڑا درجہ بھی ورع کا ہو سکتا ہے؟ (موفق ص ۱۹۱ ج ۱)

(۹) امام وکیع بن جراح۔ متوفی ۱۹۷ھ:

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اصحاب ستہ کے کبار شیوخ میں سے ہیں۔ امام صاحبؒ سے بہت حسن ظن رکھتے تھے اور آپ کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کوئی حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ وہ شیخ یعنی ابو حنیفہ کہاں ہیں۔ جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔

انه قد وقع يوماً حديث فيه غموض فوقف وتنفّس الصعداء وقال لا تنفع الندامة
ابن الشيخ فيفترج عنا. (کردری ص ۹۷ ج ۱)

(۲) میں نے کسی شخص سے جو ابو حنیفہ سے افتدہ اور اچھی طرح نماز پڑھنے والا ہو ملاقات نہیں کی۔ (حدائق حنیفہ ۷۸)

(۱۰) حافظ الحدیث امام ابو یوسفؒ متوفی ۱۸۲ھ:

امام ابو یوسفؒ علم حدیث میں امام احمدؒ، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین وغیرہ اکابر محدثین کے استاذ ہیں۔ یہ تمام امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے شیوخ میں سے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ، امام ابو حنیفہؒ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ امام صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) كان هو ابصر بالحديث الصحيح مني.

آپ میرے بہ نسبت صحیح احادیث کے بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

(الخيرات الحسان ۲۰۰)

(۲) يقول ما رأيت احداً اعلم بتفسير الحديث من أبي حنيفةً وكنا نختلف في

المسئلة فنأتی اباحیفة فكان یخرجها من کتبه فیدفعه الینا.

آپ فرماتے تھے۔ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ حدیث کی تفسیر کا عالم نہیں دیکھا۔ ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو ہم امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ اس کا فوراً ہی حل پیش کر کے تشفی کر دیتے تھے۔ (موفق ص ۴۳ ج ۲)

(۳) عصام بن یوسف قلت لابی یوسف اجتمع الناس علی انه لا یقتدعک احد فی المعرفة والفقہ فقال مامرفی عند معرفة ابی حنیفة الا کنهر صغیر عند نهر الفرات .

عصام بن یوسف کا بیان ہے کہ میں نے ابو یوسف سے کہا کہ علماء وقت کا اتفاق ہے کہ آپ سے بڑھ کر علم حدیث و فقہ میں کوئی عالم نہیں ہے۔ تو فرمایا۔ میرا علم امام صاحب کے علم کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے ایسا سمجھو جیسے دریائے فرات کے پاس ایک چھوٹی سی نہر۔ (موفق ص ۴۲ ج ۲)

(۱۱) امام مالکؒ متونی و عہدہ:

ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے چند محدثین کا حال دریافت کیا۔ امام مالکؒ نے ان کے احوال بیان فرمائے۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

”سُبْحَانَ اللَّهِ لَمْ أَرِ مِثْلَهُ“

سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے۔ قسم بخدا میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

(الخیرات الحسان ص ۲۹ فصل ۱۳)

(۱۲) امام شافعیؒ متونی ۲۰۴ھ:

فرماتے ہیں:

”الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفة ما رأیت ائی علمت احداً افقه منه“

لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔ کیونکہ میں نے ان سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(۲) من لم ینظر فی کتبه لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ.

جو شخص ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے۔ وہ نہ علم میں ٹھہرے گا اور نہ نفعیہ بنے گا۔

(الخیرات الحسان ص ۲۹ فصل ۱۳)

(۱۳) امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ:

فرماتے ہیں:

”انہ من اهل الورع والزهد واثار الاخرة بمحل لا یُدرکُ احدٌ.... الخ“

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علم و تقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔
(الخیرات الحسان ص ۳۰ فصل ۱۳، شامی ص ۵۶ ج ۱)

(۱۴) امام حدیث مسعر بن کدامؒ متوفی ۲۴۱ھ:

ائمہ صحاح ستہ کے شیوخ میں سے ہیں اور محدثین کے پیشوا جن کی جلالت قدر کے شیخ الحدیث، امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ معترف ہیں۔ سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہ کے اساتذہ میں ہیں۔ باوجود اس جلالتِ شان کے امام ابو حنیفہؒ سے استفادہ فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مبارکؒ کا بیان ہے:

”رأیت مسعراً فی حلقة ابی حنیفة یستلھ و یستفید منه“

میں نے مسعر کو امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس میں دیکھا کہ وہ آپ سے سوالات کرتے ہیں اور آپ سے استفادہ فرما رہے ہیں۔
(خیرات حسان ص ۲۹)

آپ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام ابو حنیفہؒ کو وسیلہ بنائے اور ان کے مذہب پر چلے۔
میں امید کرتا ہوں اس کو کچھ خوف نہ ہوگا۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

حسبی من الخیرات ما اعددتہ یوم القيامة فی رضی الرحمن

دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی ملہب النعمان

(حدائق ص ۷۹)

(۲) مر مسعر بن کدام بابی حنیفہ واصحابہ فوجدہم قد ارتفعت اصواتہم فاقام ملئاً ثم قال هولاء افضل من الشهداء والعباد والمجتہدین هولاء یجہدون فی احياء سنۃ محمد ﷺ ویجتہدون فی اخراج الجہال من جہلہم..... الخ۔ یعنی: ایک مرتبہ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی مجلس کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ مسائل فقہ کے مذاکرے ہو رہے ہیں اور خوب بلند آواز سے بحث ہو رہی ہے۔ کچھ دیر بٹھہر کر سنتے رہے۔ پھر فرمایا کہ ”یہ لوگ شہداء اور عابدین اور تہجد گزاروں سے افضل ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کر رہے ہیں اور جہلاء کو ان کے جہل سے نکالنے کی سعی کر رہے ہیں۔“ (موفی ص ۲۳۹ ج ۱)

(۱۵) محدث شہیر امام اوزاعیؒ - متوفی ۱۵۵ھ:

جلیل القدر محدث، فقیہ اور مجتہد تھے۔ ایک مرتبہ امام اوزاعیؒ نے عبد اللہ ابن مبارکؒ سے کہا: ”من هذا المبتدع الذی خرج بالكوفة یکنی ابا حنیفہ“۔

یہ کون مبتدع کوفہ میں پیدا ہوا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے؟ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں: میں نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد امام صاحبؒ کے چیدہ چیدہ مسائل ان کو دکھائے۔ جب انہوں نے ان مسائل کو پڑھا اور دیکھا کہ یہ مسائل نعمان بن ثابت کی طرف منسوب ہیں تو فرمایا: مَنْ ہذا؟ یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا یہ ایک شیخ ہیں جن سے عراق میں ملاقات ہوئی۔

”قال هذا نبیل من المشائخ اذهب فاستکثر منه“۔

فرمایا یہ تو مشائخ میں بڑی قابل قدر شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ تم جاؤ اور ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔

”قلت هذا ابو حنیفہ الذی نہیت عنہ“۔

میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن سے مجھ کو آپ نے روکا تھا۔ پھر امام اوزاعیؒ اور امام صاحبؒ مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے۔ اور ملاقات ہوئی تو کچھ مسائل میں آپ سے گفتگو کی۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان مسائل کو بڑی عمدہ تشریح کے ساتھ بیان کیا۔ جب وہ دونوں حضرات جُدا ہوئے تو امام اوزاعیؒ

نے ابن مبارکؒ سے فرمایا:

”غبطُ الرجل بكثرة علمه ووفور عقله واستغفر الله تعالى لقد كنتُ في غلطٍ ظاهرٍ الزم الرجل فأنه بخلاف ما بلغني عنه“.

مجھے اس شخص کے کثرتِ علم اور وفورِ عقل پر غبطہ ہوا اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں ان کے بارے میں جو کچھ کہا۔ میں اس بارے میں کھلی غلطی پر تھا۔ جاؤ ان کی محبت کو لازم کرلو۔ کسی طرح ان کا ساتھ نہ پیوڑو۔ کیونکہ ان کے بارے میں جو چیزیں مجھ کو پہنچی تھیں۔ میں نے ان کو ان کے بالکل خلاف پایا۔ (الخیرات الحسان ص ۳۰ فصل ۱۳، مناقب کردری ص ۳۹ ج ۱)

(۱۶) محدث کبیر مکی بن ابراہیمؒ۔ متوفی ۲۱۵ھ:

جلیل النور حافظ حدیث و فقیہ ہیں۔ امام بخاریؒ ابن معین وغیرہ کے استاذ ہیں۔ فرماتے ہیں:

”کان ابو حنیفۃ اعلیٰ اہل زمانہ“.

ابو حنیفہؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (خیرات حسان ص ۲۹)

(۱۷) محدث شہیر شقیق بلخیؒ، متوفی ۱۹۴ھ:

بڑے عالم، محدث، زاہد، عارف اور متوکل تھے۔ فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ ”اعلم الناس، اور ع الناس، اعبد الناس، اکرم الناس اور دین میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔

(حدائق حنیفہ ص ۷۶)

علاوہ ازیں صد ہا محدثین نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف، توثیق اور تعدیل فرمائی ہے اور آپ کو حافظ حدیث اور فقیہ نبیل فرمایا ہے۔ اور آپ کی جلالتِ قدر اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ بے شمار محدثین عظام کے شیخ ہیں اور وہ صحاح ستہ کے مصنفین، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ وغیرہ وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں کسی نے خوب کہا ہے:

۔ امام اعظمؒ کے شاگردوں کے ہیں شاگرد بھی ارشد

بخاریؒ، شافعیؒ، مسلمؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ، احمدؒ

ان مناقب کے باوجود بھی اگر کوئی متعصب اور شہرہ چشم امام ابوحنیفہؒ کو مجروح اور ضعیف کہے اور ان کی روایات کو قابل احتجاج نہ سمجھے۔ یا یوں کہے کہ آپ کو صرف ۱۷۱ حدیثیں یا وہیں تو اس سے زیادہ کو عقل، متعصب اور حقائق کا منکر کون ہوگا؟

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظمؒ نے خواب دیکھا کہ آپ حضور اکرم ﷺ کے مرقد شریف کھود رہے ہیں۔ اور آپ کی مبارک و مطہر ہڈیوں کو جمع کر رہے ہیں۔ امام صاحبؒ نے خواب کی تعبیر دریافت کرانے کے لئے ایک شخص کو امام ابن سیرین کی خدمت میں بھیجا، امام المعمرین نے جب خواب سنا تو سوال کیا کہ اس خواب کا دیکھنے والا کون ہے؟ فرستادہ نے جواب نہ دیا۔ اُس شخص نے پھر دوسری مرتبہ خواب کی تعبیر دریافت کی، آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ کس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے؟ اس نے سکوت کیا اور نام ظاہر نہیں کیا اور تیسری مرتبہ تعبیر دریافت کی، تو امام ابن سیرین نے تعبیر ارشاد فرمائی:

”صاحبُ هذه الرؤيا يُبرزُ علماً لم يسبقه أحدٌ إليه مَن قبله“.

اس خواب کو دیکھنے والا علم کو اتنا واضح کریگا (یعنی جمع کریگا) کہ ان سے پہلے کسی نے اس طرح سبقت نہیں کی ہوگی (اس سے علم فقہ کی تدوین اور قرآن و سنت کے علوم کو جمع کرنے کی طرف اشارہ ہے)۔

مرقات المفاتیح میں ہے:

”أى أبو حنيفة فى النوم كأنه ينش قبر النبى ﷺ فبعث من سأل محمد بن سيرين فقال من صاحب هذه الرؤيا ولم يجب عنها ثم سألہ الثانية فقال مثل ذلك ثم سألہ الثالثة فقال صاحب هذه الرؤيا يبرز علماً لم يسبقه أحد“.

(مرقات المفاتیح ج ۲۸ ص ۱ مطبوعہ ملتان)

شیخ علی بن عثمان ہجویری لاہوری (عرف داتا گنج بخشؒ) متوفی ۱۰۶۵ھ جن کا شمار ہندوپاک کے اولیاء کبار میں ہوتا ہے۔ تصوف کی مشہور و معروف کتاب ”کشف المحجوب“ کے مصنف ہیں۔ حنفی المذہب تھے۔ امام ابوحنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا نام ”امام اماں

و مقتدائے سنیاں، شرف فقہاء و عز علماء، کی حیثیت سے لیا ہے اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ اور مذہب کے متعلق اپنا ایک دلچسپ خواب تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”من کہ علی بن عثمان الجلابی ام و فتنی اللہ بد مشق شام بودم، بر سر گور مؤذن رسول خدائے اخفته، خود را بیکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر الزباب بنی شبیہ اندر آمدہ پسرے رادر بر گزرفته چنانکہ اطفال رادر بر گیرند بشفقتے من پیش دویدم بر دست و پایش بوسہ دوام و در تعجب بودم کہ آن کیست و آن حالت چیست؟ وے بر باطن و اندیشہ من مشرف شدہ مر گفت این امام تو و اہل دیار تست یعنی ابو حنیفہؒ مرایہ این خواب امید بزرگ است و باہل دیار خود ہم و در ست گشت از پس خواب مرا کہ وے یکے از انان بودہ است کہ از لوصاف طبع فانی بودند و باحکام شرع باقی و بدل قائم چنانچہ بر ندہ وے پیغمبر ابوہ است و اگر وے خود رفتے باقی الصفت بودے یا مخطی بود یا مصیب چوں بر ندہ کو پیغامبر ابوہ فانی الصفت باشد ببقائے صفت پیغمبر او چوں بر پیغمبر اخلا صورت نگیرد و بر آنکہ بد و قائم بود، نیز صورت نگیرد و این رمز لطیف است۔

(کشف المحجوب ص ۱۳۱ طبع سر قندوس ۸۶۲ طبع لاہور ۱۳۵۸ھ)

ترجمہ: میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے شام کے شہر دمشق میں حضور ﷺ کے مؤذن حضرت بلالؓ کے مزار کے سر ہانے سو رہا تھا خواب میں دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوں اور رسول اللہ ﷺ باب بنی شبیہ سے داخل ہو رہے ہیں جس طرح کسی بچے کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں آپ ایک پیر مرد کو گود میں اٹھائے ہوئے ہیں، میں دوڑتا ہوا حضور میں پہنچا۔ اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا اور تعجب میں تھا کہ یہ کون ہے؟ اور یہ کیا حالت ہے؟ حضور ﷺ کو میرے خطرے قلب پر اطلاع ہو گئی۔ ارشاد فرمایا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی ابو حنیفہؒ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بڑی امیدیں قائم ہو گئیں۔ اور مجھے اس خواب سے یہ بھی منکشف ہو گیا کہ امام ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور محض احکام شرع کے لئے باقی رہ گئے ہیں اس لئے کہ ان کے حامل رسول اللہ ﷺ تھے، اگر میں انہیں چلتے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفات ہیں، اور باقی الصفات کے لئے خطا

وصواب دونوں کا امکان ہے لیکن چونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی گود میں دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ انکا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے اور اب جو انکا وجود قائم ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے وجود سے قائم ہے اور چونکہ خود رسول اللہ ﷺ کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں اس لئے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔ (یاد رہے) یہ ایک لطیف رمز ہے۔

ضرورت تدوین فقہ:

جب تک دنیا میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین رہے ان میں جو حضرات فقیہ و مجتہد تھے اور افتاء کا کام کرتے تھے وہ پوری اسلامی حکومت میں پھیلے ہوئے تھے اور پیش آمدہ مسائل کا حل کرتے تھے ۱۰ھ میں جب جماعت صحابہ کے آخری فرد حضرت ابوالطفیلؓ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے بعد مستقلاً احکام کی نشر و اشاعت کا کام ان کے شاگردوں (یعنی تابعین) نے شروع کر دیا، اس وقت سات مقامات ایسے تھے جو علوم نبویہ کا مرکز تھے وہاں دارالافتاء قائم تھے۔ ان مقامات میں بڑے بڑے جید تابعی علماء موجود تھے وہ سات مقامات یہ ہیں۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، دمشق (شام)، مصر، یمن۔

کوفہ بڑی خصوصیات کا حامل تھا ہزاروں صحابہ کا یہاں قیام رہ چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہزاروں تلامذہ یہاں موجود تھے اس لئے کوفہ علم حدیث و فقہ میں مرجع خلائق بنا ہوا تھا۔ ۱۲۰ھ سے پہلے تک امام ابوحنیفہؒ کوفہ کے مشہور محدث و فقیہ امام حمادؒ کے حلقہٴ درس کے ایک ممتاز طالب علم تھے۔ امام حمادؒ کے انتقال کے بعد ان کے درس گاہ کے صدر نشین اور ایک مستقل معلم و مفتی ہوئے۔

امام صاحب نہایت ذکی، فہیم و متفکر تھے۔ آپ نے اطراف عالم پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اختلاف احوال و زماں کی وجہ سے ایک صدی ہی میں عالم میں بہت کچھ تغیر و تبدل آچکا ہے اور آئندہ ادوار میں یہ تغیر نہیں رک سکتا واضعین حدیث نے وضع حدیث کا فتنہ اٹھا رکھا ہے اور دوسرے فتنے بھی سر اٹھا رہے ہیں۔

اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اب علم ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ اطراف عالم

میں پھیل چکا ہے اس لئے آپ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر اس کو یکجا جمع نہ کیا گیا تو یہ علم ضائع ہو جائے گا نیز امام صاحبؒ کے پیش نظریہ بھی تھا کہ آج سے پہلے جو افراد تھے وہ آج نہیں ہیں زمانہ انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے لہذا آج جو جہال العلوم ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیئے اور اس علم کو ایک جگہ جمع کر دینا چاہیئے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہیئے جو زندگی کے ہر موڑ پر انکے لئے مشعل راہ ہو اور جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو ان اسباب کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تدوین کا کام شروع کر دیا۔

کیفیت تدوین فقہ:

اس اہم کام کو انجام دینے کے لئے آپ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس (۴۰) ماہرین اشخاص منتخب فرمائے اور ایک کمیٹی کی تشکیل کی جن کے مبارک اسامیہ ہیں۔

- | | |
|---|---|
| (۱) امام زفرؒ متوفی ۱۵۸ھ | (۲۱) امام اسد بن عمروؒ متوفی ۱۸۸ھ |
| (۲) امام مالکؒ بن مغولؒ متوفی ۱۵۹ھ | (۲۲) امام محمد بن الحسنؒ متوفی ۱۸۹ھ |
| (۳) امام داؤد طائیؒ متوفی ۱۶۰ھ | (۲۳) امام علی بن مسہرؒ متوفی ۱۸۹ھ |
| (۴) امام مندیل بن علیؒ متوفی ۱۶۸ھ | (۲۴) امام یوسف بن خالدؒ متوفی ۱۸۹ھ |
| (۵) امام نصر بن عبدالکریمؒ متوفی ۱۶۹ھ | (۲۵) امام عبداللہ بن ادريسؒ متوفی ۱۹۲ھ |
| (۶) امام عمرو بن میمونؒ متوفی ۱۷۱ھ | (۲۶) امام فضل بن موسیٰؒ متوفی ۱۹۲ھ |
| (۷) امام حبان بن علیؒ متوفی ۱۷۲ھ | (۲۷) امام علی بن طہیانؒ متوفی ۱۹۲ھ |
| (۸) امام ابو عاصمؒ متوفی ۱۷۳ھ | (۲۸) امام حفص بن غیاثؒ متوفی ۱۹۳ھ |
| (۹) امام زبیر بن معاویہؒ متوفی ۱۷۳ھ | (۲۹) امام وکیع بن جراحؒ متوفی ۱۹۷ھ |
| (۱۰) امام قاسم بن معینؒ متوفی ۱۷۵ھ | (۳۰) امام ہشام بن یوسفؒ ۱۹۷ھ |
| (۱۱) امام حماد بن الامام اعظمؒ متوفی ۱۷۶ھ | (۳۱) امام یحییٰ بن سعید القطانؒ متوفی ۱۹۸ھ |
| (۱۲) امام ہیاج بن بسطامؒ متوفی ۱۷۷ھ | (۳۲) امام شعیب بن اسحاقؒ متوفی ۱۹۸ھ |
| (۱۳) امام شریک بن عبداللہؒ متوفی ۱۷۸ھ | (۳۳) امام ابو حفص بن عبد الرحمنؒ متوفی ۱۹۹ھ |

- (۱۴) امام عافہ بن یزید متوفی ۱۸۰ھ (۳۴) امام ابو مطیع بلخی متوفی ۱۹۹ھ
 (۱۵) امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ (۳۵) امام خالد بن سلیمان متوفی ۱۹۹ھ
 (۱۶) امام ابو یوسف متوفی ۱۸۲ھ (۳۶) امام عبد الحمید متوفی ۲۰۳ھ
 (۱۷) امام محمد بن نوخ متوفی ۱۸۲ھ (۳۷) امام حسن بن زیاد متوفی ۲۰۴ھ
 (۱۸) امام ہشیم بن بشیر السلمی متوفی ۱۸۳ھ (۳۸) امام ابو عاصم النبیل متوفی ۲۱۲ھ
 (۱۹) امام ابو سعید یحییٰ بن زکریا متوفی ۱۸۴ھ (۳۹) امام مکی بن ابراہیم متوفی ۲۱۵ھ
 (۲۰) امام فضیل بن عیاض متوفی ۱۸۷ھ (۴۰) امام حماد بن دلیل متوفی ۲۱۵ھ

(امانی الاحبار، الجواہر المفیہ۔ بحوالہ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴)

مصنف مفتی عزیز الرحمن بجنوری دامت برکاتہم

یہ حضرات سب کے سب درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ پھر ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مخصوص مجلس تھی جس کے رکن امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، یوسف بن خالد، یحییٰ بن زکریا، زائدہ، امام محمد، عبد اللہ بن مبارک اور خود امام ابو حنیفہ تھے۔

(الجواہر المفیہ ص ۱۸۴ ج ۱۔ بحوالہ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۱۷۸)

اس مجلس تدین فقہ کے متعلق امام وکیع بن جراح مشہور محدث، امام شافعی کے استاذ فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، حفص بن غیاث، حبان، مندل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے۔ اور لغت و عربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی، فضیل بن عیاض زہد اور تقویٰ اور پرہیزگاری رکھنے والے حضرات موجود تھے۔ لہذا جس کے رفقاء کا راور ہمنشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف واپس کرنے والے لوگ موجود تھے۔

(جامع المسانید ص ۳۳ بحوالہ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۱۷۸)

استنباط مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کا طریقہ:

امام ابو حنیفہؒ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہ اور اس کے بعد قیاس، امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت دور میں تھی۔ وہ حدیث کے قوی، ضعیف، مشہور، آحاد کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا ہے وہ کیا تھا اور مسائل کے استنباط میں امام صاحب سوچ سوچ کر اس قسم کی جزئیات پر بھی بحث کرتے تھے کہ جن کا وجود ابھی تک نہیں ہوا تھا اس وجہ سے امام صاحب نے مجلس تدوین فقہ میں ان تمام مسائل پر بحث فرمائی کہ جن کے وقوع کا امکان ہو سکتا تھا۔ آپ کے ارد گرد تلامذہ کا مجمع ہوتا اور ہر شخص کو احادیث، آثار اور اجماع و قیاس کی روشنی میں آزادی سے گفتگو و بحث کا موقع دیا جاتا تھا۔ اور امام صاحب کے سامنے سب ہی اپنے اپنے دلائل بیان کرتے اور بحث میں بسا اوقات انکی آواز بھی بلند ہو جاتی تھی اور بحث کے دوران خود امام صاحب سے (جو سب کے مسلم شیخ و استاذ تھے) بھی بعض حضرات اختلاف کر بیٹھتے اور یہاں تک کہہ دیتے کہ آپ نے فلاں دلیل میں خطا کی ہے۔

بعض اجنبی لوگ امام صاحب سے کہہ دیتے کہ آپ اتنی بے باکی سے بات کرنے والوں کو کیوں نہیں روکتے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خود ان کو آزادی دی ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنادیا ہے کہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور یہ لوگ ہر ایک کے حتیٰ کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کریں تاکہ صحیح بات بالکل متفق ہو کر سامنے آجائے بہر حال اس طرح آپ جزئیات پیش فرماتے اور جواب حاصل کرتے اگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا تو مسئلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ ورنہ پھر بحث کا سلسلہ جاری رہتا اور جو بھی آخر میں فیصلہ ہوتا وہی بات قرار پا جاتی کبھی ایک مسئلہ میں مہینوں گزر جاتے جب کلام بہت طویل ہو جاتا تو آخر میں امام صاحب ”بحیثیت صدر مجلس تقریر شروع فرماتے اور سب دم بخود ہمہ تن متوجہ ہو کر امام صاحب کے فرمودات سنتے اور آپ ایسا محکم فیصلہ فرماتے کہ سب اسے تسلیم کر لیتے اور کبھی ایسا قول بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تو اس صورت میں سب کے اقوال قلمبند کر لئے جاتے تھے۔ تقریباً بائیس سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدون کر لیا۔ یہ کتابیں کتب الی حنیفہ کے نام سے

مشہور ہوئیں۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا۔ جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات کے متعلق تھے۔ باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔

(از امام اعظم ابوحنیفہؒ، فیض حضرت مفتی عزیز الرحمن بجنوری دامت برکاتہم وانوار الباری شرح بخاری)

مصنفہ حضرت مولانا سید احمد رضا خان صاحب بجنوری دامت برکاتہم)

امام صاحبؒ کا یہ مدون شدہ قانون اس وقت کے تمام علماء اور وایان ریاست کے کام آیا عدالتوں میں سرکاری طور پر داخل کر لیا گیا اور اسی کے مطابق فیصلے ہونے لگے، یحییٰ بن آدمؒ فرماتے ہیں:

”قضى به الخلفاء والائمة والحكام واستقر عليه الامر“.

خلفاء، حکام، اور ائمہ، امام صاحبؒ کی مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے، بالآخر اسی پر فیصلے ہونے لگے۔ (موفق ص ۴۱۱ ج ۲)

”وقال محمد بن اسحاق النديم فى ”الفهرست“ والعلم برأ وبحرأ وشرقاً وغرباً، بُعدأ وقرباً تدوينه رضى الله عنه“.

یعنی برو، بحر، شرق و غرب، دور اور نزدیک، ہر جگہ کا علم امام ابوحنیفہؒ کی تدوین کا ثمرہ ہے۔

(بحوالہ ”فقہ اهل العراق وحديثهم للعلامة زاهد كوتري“، سنوئی ۱۳۷۱ھ ص ۵۷)

”وقال بعض الائمة لم يظهر لاحد من ائمة الاسلام المشهورين مثل ما ظهر لابی حنيفةؒ من الاصحاب والتلاميذ ولم ينتفع العلماء وجميع الناس مثل ما انتفعوا به وباصحابه فى تفسير الاحاديث المتشابهة والمسائل المستنبطة والنوازل والقضاء والاحكام“

یعنی اسلام کے مشہور اماموں میں سے کسی امام کو اتنے زیادہ رفقاء و تلامذہ نصیب نہیں ہوئے جتنے امام ابوحنیفہؒ کو ہوئے، اور علماء اور تمام لوگوں نے مشکل احادیث کی تشریح اور مستنبط مسائل کی تخریج اور احکام کے سلسلہ میں جتنا ان سے اور ان کے تلامذہ سے فائدہ اٹھایا اتنا کسی اور سے منتفع نہیں ہوئے۔ (الخیرات الحسان بحوالہ فقہ اهل العراق وحدثهم ص ۵۷)

امت کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی کا پیرو رہا ہے:

قدیم زمانے سے آج تک امت کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی کا پیرو رہا ہے، چنانچہ محدث حافظ ابن اثیر جزیری شافعی جامع اصول کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”لو لم یکن للہ سرخفی لما کان شطر هذه الامة من اقدم عهد الی یومنا هذا یعبدون اللہ سبحانہ علیٰ مذہب الامام الجلیل (ای ابی حنیفہ)“۔

یعنی اس میں خدا کا کوئی مخفی راز ہے کہ اس امت کا نصف سے زیادہ حصہ قدیم زمانہ سے لیکر آج تک امام اعظم کے طریقہ پر خدا کی عبادت کر رہا ہے (یعنی مسلک حنفی کا پیرو ہے)۔

(بحوالہ فقہ اہل العراق وحد شہم ص ۵۷)

محدث ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

”وبالجملة فاتباعه اکثر من اتباع جميع الائمة من علماء الامة کما ان اتباع النبی ﷺ اکثر من اتباع سائر الانبياء وقد ورد انهم ثلثا اهل الجنة والحنفية ايضاً تحبى ثلثي المؤمنين“۔

یعنی حاصل کلام امام ابوحنیفہؒ کے متبعین دیگر ائمہ کے متبعین سے زیادہ ہیں جس طرح کہ حضور ﷺ کے متبعین دیگر انبیاء کے متبعین سے بہت زیادہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، اہل جنت کے دو ثلث آپ کی امت میں سے ہوں گے اسی طرح امت محمدی کے دو ثلث حنفی ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷ ج ۱، تذکرۃ الامام الاعظم ابی حنیفہؒ مطبوعہ ملتان پاکستان)

امام ابوحنیفہؒ کو اور آپ کے متبعین کو مغفرت کی بشارت بھی دی گئی ہے، مناقب امام اعظم للعلامة کردریؒ میں ہے:

”واستدخله الكعبة فقام علیٰ رجله وقرأ نصف السبع المثانی ثم قام علیٰ رجله الاخریٰ وختم النصف الثانی وقال یا رب ما عرفتک حق المعرفة وما عبدتک حق العبادۃ فہب لی نقصان الخدمة بکمال المعرفة فنودی من زاویۃ البيت عرفت فاحسنت المعرفة وخدمت فاخلفت الخدمة غفرنا لک ولمن کان

علیٰ مذہبک الیٰ قیام الساعة“.

یعنی جب امام ابوحنیفہؒ حج کیلئے تشریف لے گئے تو کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے اور ایک پیر پر کھڑے ہو کر نصف قرآن اور دوسرے پیر پر کھڑے ہو کر دوسرا نصف قرآن پڑھ کر ختم کیا اور دعاء فرمائی، اے پروردگار! جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے میں نے تجھے نہیں پہچانا اور جیسا تیری عبادت کرنے کا حق ہے میں نے تیری عبادت نہیں کی، مجھے ناقص خدمت کے طفیل اپنی کامل معرفت عطاء فرما، کعبۃ اللہ کے ایک کونے سے آواز آئی، تم کو بہت اچھی طرح معرفت حاصل ہے، اور تم نے خالص عبادت کی، ہم نے تمہاری اور اس شخص کی جو تمہارے مذہب پر چلے مغفرت کر دی۔

(کروری ص ۵۵۵ ج ۱)

ہندو پاک میں مذہب حنفی کا رائج ہونا:

حاصل کلام یہ کہ امت مرحومہ کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی پر عمل پیرا ہے اور ہندو پاک میں بھی جب سے اسلام آیا ہے اور مسلمان غازیوں، مجاہدوں نے اس کو فتح کیا اس وقت سے ہندو پاک میں مذہب حنفی رائج ہے، امراء و حکام سے لیکر عوام الناس تک سب کے سب مقلد خصوصاً ذہنی تھے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ (سابق استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ و جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

”آپ کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پر نظر ڈالئے، محمود غزنوی علیہ الرحمہ سے لیکر اورنگزیب عالمگیر بلکہ سید احمد شہید بریلوی علیہ الرحمہ تک کوئی غیر حنفی فاتح نہیں ملے گا، اس زمانہ میں عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے، چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد بن قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں:

”رعایائی آل ملک کلمہ اجمعین حنفی مذہب اند

(یعنی اس ملک کے رعایا حنفی تھے)۔“ (تاریخ فرشتہ ص ۳۳ طبع نولکشور)

اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالہ سے ناقل ہے:

”سرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بودہ

اند۔

(تاریخ رشیدی ص ۳۳۶)

(یعنی تاریخ رشیدی میں مرزا حیدر نے تحریر کیا ہے کہ کشمیر کے لوگ حنفی مذہب کے پیرو تھے)

اور حضرت مجدد الف ثانی مغل امپائر کے فرماں روا کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”سلطان وقت حنفی می گیرد و از اہل سنت میداند“

(یعنی بادشاہ وقت خود اہل سنت والجماعت اور حنفی ہے۔)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ”تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف“ میں

ارقام فرماتے ہیں:

”واہل الروم وما وراء الهند حنفیون“.

اہل روم اور اہل ہند سب حنفی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”روزے در حدیث لو کان الدین عند الثریا لنا لہ رجال اور رجل من ہولاء یعنی اہل

فارس وفی روایت لنا لہ رجال من ہولاء بلا شک مذاکرہ می کردم فقیر گفت امام

ابو حنیفہؒ دریس حکم داخل است کہ خدا تعالیٰ علم فقہ را بردست وے شائع

ساخت و جمیع از اہل اسلام را بآن فقہ منسوب گردانید خصوصاً در عصر متأخر کہ

ذی دولت ہمسای مذہب است و بس، در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان

حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرساں و اکثر عوام حنفی“

ایک روز ہم اس حدیث پر گفتگو کر رہے تھے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اس کو ان سے یعنی اہل

فارس میں سے کچھ لوگ یا ان میں سے ایک شخص ضرور حاصل کریگا اور ایک روایت میں بغیر شک

کے ہولاء کا یہی لفظ مذکور ہے یعنی اہل فارس کے کچھ لوگ ضرور حاصل کریں گے، فقیر (حضرت شاہ

صاحبؒ) نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کے ان کے ہاتھ سے

اشاعت فرمائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ آراستہ فرمایا خصوصاً پچھلے دور میں

کہ بس یہی مذہب ذی دولت ہے، تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی اور اکثر

مدرسین اور عوام حنفی ہیں۔

(کلمات طبیات مکتوب حضرت شاہ ولی اللہ مکتوب یازدہم طبع المطلع العلوم مراد آباد ۱۳۰۸ھ)

مزید آپ تفہیمات الہیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”و جمهور الملوك وعامة البلدان متمنھين بمذهب ابی حنیفہ“۔

عام سلاطین اور تمام ممالک کے (باشندے) امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے پیروکار ہیں۔

(تفہیمات الہیہ ص ۲۱۲ شائع کردہ مجلس علمی ذابھیل ۱۳۵۵ھ)

ایک طرف ہندوستان میں فاتحین و غازیوں کی آمد ہوئی تو انہیں کے ساتھ ساتھ سرزمین ہند مشائخ سلوک و طریقت کے قدوم میننت سے مشرف ہوتی رہی، دور غزنوی میں ان بزرگوں کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حسین رنجائیؒ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور ادھر حضرت علی ہجویریؒ صاحب کشف الکجب کا داخلہ ہو رہا تھا، غوریوں کے عہد میں جب دہلی یہاں کے فرماں رواؤں کا دارالملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بزرگان قادریہ، حضرات چشت، اہل، بہشت سب کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور چمکا اور کفر زار ہند میں اسلام کو دھو دھو فروغ ہوا کہ ہندوستان کے وہ باشندے جو اپنے آپ کو پوتر سمجھتے تھے جن کے نزدیک دوسروں کے مذہب کو قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانے تک کو گوارا نہ کرتے تھے، آہستہ آہستہ بطوع و رغبت داخل اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان و پاکستان و بنگلہ دیش میں جو بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام کی تعداد بچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے، وہ سب انہی بزرگوں کی مساعیٰ جلیلہ کا صدقہ اور انہی کی اخلاص کی برکت ہے، یہ سب کے سب مشائخ حنفی تھے اور ان کے مریدین بھی حنفی تھے جیسا کہ سطور بالا سے معلوم ہوا۔

یہ ہے اس ہندوستان میں شیع اسلام اور مذہب حنفی کے فروزاں ہونے کی مختصر داستان، پھر دو وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی یہ شیع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنی شعلہ نفسیوں سے سب تک روشن رکھا تھا، نصیب دشمنان کہ کہیں بجھ نہ جائے، ایک اکبری دور الحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنی تربیت باطنی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا، جزا ہم اللہ خیر الجزاء عنا وعن سائر المسلمین، دوسرا انگریز کا عہد بالخصوص ۱۷۷۲ء کا ہنگامہ کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی

کھیلی جانے لگی۔

ہندوپاک میں غیر مقلدیت، منچریت، اور قادیانیت کا فتنہ:

طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا، لامذہبیت (یعنی غیر مقلدیت) منچریت اور قادیانیت نے جنم لیا، اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی، لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا، دہلی کی عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر کی نے کی، میری مراد ان دو طالب علموں سے حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمدؒ، اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ہے۔ قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایسی درس گاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور انکی علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو چنانچہ دیوبند جیسی گمناہمستی میں مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے دارالعلوم کی بنیاد رکھی، اس درس گاہ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی، وہ سب پر عیاں اور اظہر من الشمس ہے اور اس علمی چین سے ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ پیدا ہوئے وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(از ماہنامہ الفرقان اکتوبر نومبر ۱۹۸۰ء بتصریح)

الغرض تیرہویں صدی کے آخر میں مسلمانان ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنہ غیر مقلدیت (لامذہبیت) کے طوفان کی وجہ سے پیش آ گیا تھا اور جس کی پیش رفت کو اس دور کے علماء حق نے اپنی جان توڑ کر مساعیٰ جمیلہ سے روک دیا، اس فتنہ (یعنی غیر مقلدیت) کا اثر گجرات کی سرزمین پر بھی پہنچا اور سورت کی ایک بستی ”سامروڈ“ میں ایک غیر مقلد بنام ”مولانا محمد سامروڈی“ پیدا ہوئے اور غیر مقلدیت کی اشاعت اور اس کو فروغ دینا شروع کیا اور لوگوں میں فتنہ کھڑا کر کے ان کے اتحاد کو زہد پہنچایا اور حنفی علماء اور عوام کو اپنی دل آویز باتوں سے ایذا رسانی شروع کی اور طرح طرح کے دعوے اور چیلنج کرنے لگے۔

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی اور مولانا محمد سامرودی کا مناظرہ:

بالآخر ان کا علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) کے ساتھ بمقام ڈابھیل (ضلع سورت گجرات) ۷ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ بروز جمعہ ایک مناظرہ ہوا اور دوسرا مناظرہ بمقام سورت ۸ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ جناب مولانا علی عیدروس قدس اللہ سرہ العزیز کے آستانہ مبارک پر صحن مسجد میں ہوا (یہ دونوں مناظرے جس کو جناب محمد ابراہیم پولس ٹیل (جنہوں نے ڈابھیل کے مناظرہ کا سرکاری طور پر بندوبست کیا تھا) نے طبع کرائے وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں، مولانا محمد سورتی صاحب مناظرہ کا چیلنج کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے ”کسی نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے کہ مجھ سے بحث و گفتگو کرے کیا مجال جو میرے سامنے آجائے“ اور کبھی بانگ دہل یہ دعویٰ کرتے ”میرے مقابلہ میں ہرگز کوئی نہ آ سکے گا۔ آوے اور جس علم میں چاہے بحث کرے“ گاؤں والے ان دعوؤں سے پریشان تھے مجبور ہو کر جب خفیوں نے ان کے چیلنج کو قبول کیا اور ان کو مناظرہ کی دعوت دی تو لیل و لعل شروع کر دیا اور بہانہ بازی کرنا چاہی مگر وہ اپنی شاطرانہ چال میں کامیاب نہ ہوئے، اور بڑی مشکل سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہوئے، مناظرہ کی روئیداد کے متعلق اس مطبوعہ مناظرہ کے دیباچہ میں ہے:

”پولیس ٹیل ڈابھیل والے نے اپنی جماعت و سرکار سے بندوبست ضروری کر کے مولوی سامرودی صاحب سے کہلا بھیج کر تشریف لاؤ، آپ کا مقولہ کہ کوئی کیا مجال رکھتا ہے مجھ سے گفتگو کرنے کی، اس کا صدق و کذب معلوم ہو جائے، پس اگر صدق ہو تو ہم آپ کا طریقہ اختیار کریں والا نہیں تو آپ تابع ہو کر دین حق پر آ جاؤ اور حنفی مذہب اختیار کرو اور پورت مقلد بن جاؤ، تاکہ آپ کی ہماری صلاح رہے اور فساد موقوف ہو جاوے، غرض تین دن تک نہیں آئے، لیل و لعل کرتے رہے، ان کے لڑکے کا مقدمہ تھا (جس کا وہ بہانہ کر رہے تھے) وہ بھی موقوف رہا اور ان کا یہ عذر باقی نہ رہا، آخر الامر چند صاحب سامرود گئے اور بہت طرح سے قائل کئے، حضرت پہلے فرماتے تھے اور اب کیا کرتے ہو؟ آپ کا عذر ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے، آپ نے دین میں فساد ڈال رکھا ہے اور اب وقت پر حیلے حوالے کرتے ہو کیا سچائی کی یہی علامت ہے؟ آخر مجبور ہوئے اور بجز تشریف آوری کے بن نہ پڑی، الحاصل جمعہ کے دن قصہ ڈابھیل میں جناب عالی میاں جمال الدین

صاحب عثمانی دام اجلہم کی مسجد شریف میں بحث شروع ہوئی نو بجے سے بارہ بجے تک گفتگو رہی وہاں پر دس پندرہ گاؤں کے لوگ شریک تھے، اور سورت، راندیر، بریاد، نو ساری سے بھی چند صاحب تشریف لائے تھے، ان صاحبوں کے روبرو جو جو سولات و جوابات جانین میں ہوئے وہ سب قلم بند کر لئے گئے، اور اس پر مولوی عبدالحق صاحب اور مولوی محمد سامرودی کی صحیح (یعنی دستخط) اور پٹیل مذکور وغیرہ چند متمدن کی گواہی کرائی گئی تاکہ کوئی صاحب انکار نہ کریں اور مولوی عبدالحق صاحب اثناء مباحثہ میں مستحسانہ خندہ رو ہو کر فرماتے تھے مولانا ذرا سوچ بچار کر جواب دیجئے کہ یہ نوشتہ مشتمل ہو کر اہل علموں کے ملاحظہ میں گزرے گا اور بندہ تو فقط آپ لوگوں کا فساد دور کرنے آیا ہے..... الیٰ قولہ..... حاصل کلام آخر میں یہ ہوا کہ مولوی سامرودی صاحب ”دلیل کی تعریف کیا ہے“ اس بات کا جواب نہ دے سکے، دس پندرہ منٹ غور کرنے کے بعد فرمایا مولانا صاحب آج معاف رکھو اور ملتوی رکھو کتاب دیکھ کر بتاؤں گا، اور اس مباحثہ کو کل شہر سورت میں مقرر رکھو، پس جناب مولوی عبدالحق صاحب ان کے انتظار میں تین دن اپنا وقت ضائع کر چکے تھے، بعد میں نماز جمعہ چلنے کے ارادہ میں تھے مگر اس کے باوجود اخلاق کریمانہ سے قبول فرمائے، پس مجلس درخواست ہوئی اور جناب مولانا مخدومی مکرئی مولوی عبدالرشید صاحب موصوف الصدر نے خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ پڑھائی، بعدہ ہفتہ کے روز بعد نماز ظہر جناب مولانا سیدنا علی عیدروس صاحب کے آستانہ مبارک پر صحن مسجد میں گفتگو شروع ہوئی۔ اس مجلس میں تھینا چار پانچ ہزار آدمی تھے، چنانچہ جملہ ان کے عالی معظم و مکرم مولانا سیدی حضرت سید علوی صاحب دام ظلہم تشریف رکھتے تھے، اور جناب مولانا محمد صاحب ابن مولوی اسماعیل صاحب و جناب مولانا مولوی محمد کاظم صاحب ابن مولوی محمد اشرف صاحب و جناب مولانا سلیمان صوفی صاحب لاچپوری وغیرہ اکثر اہل علم و سادات کرام و شرفاء شہر سلمہم اللہ تعالیٰ تشریف رکھتے تھے اور جناب غلام نبی صاحب فوجدار سورت بھی واسطے انتظام و بندوبست مجلس کے تشریف لائے تھے غرض کہ ان سب صاحبان ذی شان خاص و عام نے سب گفتگو سنی اور سب اس کے شاہد و گواہ ہیں پس باوجود اس دعویٰ اور وعدہ کتاب کے بھی دلیل کا جواب اور تعریف نہ کر سکے اور بجز ”ہیں ہیں، ہاں ہاں“ کچھ نہ بن پڑی، وہ دعویٰ خواب و خیال ہو گئے اور صدق و کذب ظاہر ہو گیا، آخر الامر جناب مولوی عبدالحق صاحب نے سب

صاحبانِ مجلس کے روبرو فرمایا کہ مولانا صاحب اگر آپ نہیں جانتے تو مقرر کیوں نہیں ہوتے اور بے فائدہ باتیں کیوں کرتے ہو، خیر عاجز نے تم کو معاف کیا اب بندہ تقریرِ علمی اور دلائل عقلی و نقلی سے التزام و جوب مذہب واحد کا سب اہل مجلس کے روبرو آپ کو ثابت کر دیتا ہے، لیکن انصاف کیجئے اور غور سے سنئے یہ کہہ کر جناب مولانا عبدالحق صاحب گھٹنے ڈیڑھ گھنٹے بحث علمی و دلائل نقلی و عقلی بیان فرماتے رہے، جمیع صاحبانِ مجلس سے نداء آفرین و صدائے آفرین آتی تھی، اور سب کی نگاہ و کان انہی کی طرف لگے تھے پس یہ سن کر غیر مقلدین نے خصوصاً اکثر گاہوں کے لوگوں نے لامذہبی سے توبہ کی اور تقلید کے قائل بدل و جان ہوئے، اور مذہبِ حنفی قبول کئے حق تعالیٰ قبول فرمائے اور باقی ماندوں کو بھی توبہ نصیب کرے مگر مولوی سامرودی صاحب نے آخر انصاف نہ کیا اور نہ سمجھے بلکہ غصہ میں آکر نامناسب باتیں کرنے لگے، اس پر بھی مولوی عبدالحق صاحب نے سکوت فرمایا..... الخ

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہو گیا کہ مولوی محمد سامرودی صاحب مناظرہ میں بالکل لاجواب ہو گئے، گواہوں نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی لیکن اسی مناظرہ کا اثر سمجھئے کہ بعد میں غیر مقلدیت سے صمیم قلب سے توبہ کی، اور اس زمانہ کے مشہور و معروف ولی کامل بلند پایہ بزرگ عارف باللہ، فنا فی اللہ حضرت شیخ پیر موسیٰ جی ترکیسریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت ہوئے اور شیخ کی عقیدت دل میں اس طرح گھر کر گئی کہ اس کے بعد انہی کے ہو کر رہ گئے اور اپنے شیخ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ لکھا وہ قصیدہ کراماتِ موسویہ (جس میں شیخ پیر موسیٰ جیؒ کی سوانح و کمالات و کرامات کا ذکر ہے، امام اہل سنت عبدالشکور صاحب لکھنؤیؒ کی تالیف ہے) میں شائع ہو گیا ہے اسی کراماتِ موسویہ کے دیباچہ میں ہے "قصیدہ کے مصنف مدوح پہلے غیر مقلد تھے اور عدم تقلید میں نہایت غالی و متعصب تھے، حضراتِ صوفیہ سے ویسا ہی انکار شدید رکھتے تھے جیسا کہ اس فرقہ میں ہوتا ہے۔ اپنی جماعت کے امام و مقتدی و مرجع تھے، مگر حضرت ولی پیر مرشد (پیر جی موسیٰ جیؒ) کے فضائل و کمالات کا غلغلہ (شور) جو ان کے کانوں میں پہنچا اور سعادتِ ازلی نے ان کی دنگیری کی، تو دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ چشم خود جا کر دیکھیں کہ اس غلغلہ کی اصلیت کہاں تک ہے اور جس چیز کو وہ اب تک مستبعد و مستکرہ سمجھتے تھے اس کی حقیقت کیا

ہے چنانچہ حاضر ہوئے دیکھا تو اس غلغلہ سے کہیں زیادہ ان کی حالت پائی جیسا کہ اپنے قصیدہ میں انہوں نے لکھا ہے۔

وَقَدْ كُنْتُ مِنْ بَعْدِ سَمِعْتُ صِفَاتِهِ فَوَجَدْتُهَا أَضْعَافَ وَصْفِ فَخَامٍ

اور میں سنتا تھا دور سے ان کی صفات کو پھر میں نے ان صفات کو پایا دو چند سے چند اوصاف اکابر

سے۔

وَرَأَيْتُهُ عِلْمًا دَلِيلًا حُجَّةً وَلِسَالِكِي الْمِنْهَاجِ خَيْرَ إِمَامٍ

اور میں نے انہیں دیکھا اللہ کی نشانی اور راہنما اور حجت اور ہر دانِ طریقت کے لئے بہترین

پیشوا۔

خوارق عادت کا مشاہدہ کیا منجملہ اس کے یہ کہ حضرت ولی مرشد نے ان کو کشف قبور کرایا وغیرہ ذالک۔ المختصر وہ انکار اور نفرت جو حضرات اولیاء اللہ کی طرف سے قلب میں مضمر تھی ارادت و محبت میں متبدل ہو گئی اور بے اختیار دل اسی طرف کھینچنے لگا جس طرف کھینچنا چاہئے، حضرت ولی مرشد کے حلقہ فیوض میں داخل ہوئے اور جو حق تعالیٰ نے چاہا پایا اسی حالت جوش و خروش میں یہ قصیدہ تالیف فرمایا اس انقلاب عظیم کی وجہ سے ان کی جماعت ان سے متنفر ہو گئی..... الخ

(کرامات موسویہ ص ۵۰-۶۰)

اس کے بعد مولانا محمد سورتی کی نسل میں ایک شخص مولوی عبد الجلیل سامرودی پیدا ہوئے جن کے متعلق مولانا محمد سورتی کے بھانجے جناب محمد سورتی کا مقولہ کرامات موسویہ میں منقول ہے اور ان کے (مولانا محمد سورتی صاحب کے) کے دو پوتے آجکل موجود ہیں جن میں ایک مولوی عبد الجلیل صاحب نوجوان عالم ہیں مگر فنون و علوم سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے صرف کچھ دینیات عربی وغیرہ سے..... الخ

(ص ۶)

غیر مقلد مولوی عبد الجلیل سامرودی کا

مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مناظرہ:

یہ مولوی عبد الجلیل غالی درجہ کے غیر مقلد تھے اور انہوں نے اپنی فتنہ انگیز طبیعت کی وجہ سے

حد سے زیادہ فتنہ پھیلایا اور لاندہیت (یعنی غیر مقلدیت) کی اشاعت میں اور مذہب حنفی کو بدنام کرنے اور کتب فقہ سے عوام الناس کو بدظن کرنے کی جان توڑ کوشش کی ان کا بھی بمقام ڈابھیل متکلم اسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مناظرہ ہوا جس کے دیکھنے والے آج بھی بکثرت بقید حیات ہیں خود احقر بھی اس مناظرہ میں شریک تھا، سامرودی صاحب بڑے دعوے کرتے تھے اور بڑے طمطراق کے ساتھ بیل گاڑی میں کتابیں بھر کر ڈابھیل پہنچے مگر اس مناظرہ میں مجمع عام میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے اور بالکل لا جواب ہو کر وہاں سے نکلے۔ مگر اس کے بعد بھی اپنی نازیبا حرکات سے باز نہ آئے اور ایک پمفلٹ شائع کیا گیا جو ان کی طرف منسوب تھا اور آخر میں ان کا نام درج تھا لوگوں کو کتب فقہ سے بدظن کرنے اور ان کتابوں کو فحش لٹریچر ثابت کرنے کی غرض سے غسل اور روزے وغیرہ مسائل کے متعلق چند عربی عبارتوں کا مثلاً:

(ولو وطى ميتة او بهيمة وهو التفخيذ او قبل او لمس ان انزل قضى والا فلا

(شرح الوقایہ ص ۳۱۲ ج ۱، المہمطل بہ الصوم)

او انزل بنظر او فکر او اداہم النظر والفکر،

(نور الایضاح ص ۱۲۸، باب ملہفہ الصوم)

اذا ادخل ذكره فى بهيمة او ميتة من غير انزال او مس فرج بهيمة او قبلها

فانزل او اقطر فى احليله ماء او دهن او وصل الى المثانة على المذهب، واما

فى قبلها فمفسد اجماعاً لانه كالحقنة،

(در مختار مع الشامی ص ۱۳۷-۱۳۸ ج ۲)

وانزال المنى بوطى ميتة او بهيمة ووجود ماء رقيق بعد النوم اذا لم يكن ذكره

منتشراً قبل النوم،

(نور الایضاح ص ۲۶۲ فصل فیما یوجب الغسل)

نہایت گندے اور بازاری الفاظ میں ترجمہ کیا گیا اور بزعم خود یہ باور کرایا گیا تھا کہ یہ کتابیں مذہب حق کی نہیں ہو سکتیں کہ اس میں ایسی گندی اور فحش باتیں درج ہیں، حکومت نے فحش الفاظ

اور گندے مضامین شائع کرنے کی بناء پر دفعہ ۲۹۲ کے بموجب جس کے نام سے یہ طبع ہوا تھا اس کو اور جس پریس میں چھپا تھا اس کے مالک کو گرفتار کر لیا اور اس پر سرکاری مقدمہ دائر کیا۔

غیر مقلد مولوی عبد الجلیل سامرودی کے پمفلٹ کے جواب میں

عدالت کے اندر جماعت غیر مقلد کی موجودگی میں احقر کا بیان:

اس سلسلہ میں ایل، آئی، بی شعبہ کے سب انسپکٹر جناب جی ایم گربانی نے احقر کا تعاون کرنا چاہا، احقر نے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کیا اور پمفلٹ میں جن عبارتوں کا ترجمہ پیش کیا گیا تھا ان کی حقیقت کو ثابت کیا کہ بے شک یہ الفاظ ہماری کتب فقہ میں درج ہیں مگر ان کا جو ترجمہ کیا گیا یہ صحیح نہیں ہے ان کا دوسرا صحیح ترجمہ ہو سکتا ہے اور احقر نے اس کو ایک مثال سے واضح کیا کہ کوئی اپنی ماں کو ”ماں“ کہنے کے بجائے ”باپ کی جورو“ کہے تو یہ حقیقت کے اعتبار سے غلط نہیں مگر یہ کہنا بے ادبی سمجھاتا ہے اور ہر ایک اس کو برا کہتا ہے یہی حال ان عبارتوں کا ہے ان کا صحیح اور مہذب ترجمہ ہو سکتا ہے مگر چونکہ پمفلٹ لکھنے والے کا مقصد ہی مذہب حنفی کی تخفیف ہے اور لوگوں کو کتب فقہ سے بدظن کرنا ہے اس لئے انہوں نے ان عبارتوں کا ایسا فحش اور گندے الفاظ میں ترجمہ کیا ہے۔

احقر نے تمام مسائل کا جواب تحریر بھی دیا جو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور کورٹ میں حاضر ہو کر (جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے، غیر مقلدین بھی بڑی تعداد میں تھے) تقریر بھی بیان دیا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا جس میں بنیادی طور پر یہ ثابت کیا کہ فقہاء نے یہ مسائل کیوں بیان کئے ہیں اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے پر کیوں مجبور ہوئے، جس کی کچھ تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دوم ص ۲۰ تا ص ۲۹ پر درج ہے الحمد للہ مجسٹریٹ کو اطمینان ہوا (حالانکہ ابھی صرف ایک مسئلہ پر کلام کیا تھا) اور ان عبارتوں کی حقیقت اور ضرورت اس پر واضح ہو گئی، اس کے بعد سامرودی صاحب سے کچھ نہ بن پڑا تو اس کے وکیل نے مشورہ دیا کہ اب چھٹکارے کی صرف ایک صورت ہے کہ تم یہ بیان دیدو کہ یہ پمفلٹ نہ میں نے لکھا ہے (اگر لکھا نہیں تھا تو شروع ہی سے انکار کر دینا تھا) نہ اس کو چھپوایا ہے نہ تقسیم کیا ہے، چنانچہ وکیل کے

مشورے پر یہ بیان دیدیا کہ میں نے نہ لکھا ہے نہ چھپوایا ہے نہ تقسیم کیا ہے، اسی طرح پریس کے مالک نے بیان دیا کہ میرے پریس میں نہیں چھپا ہے، ان کے اس بیان پر سینڈ کورٹ کے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ جناب سی ڈی گوشارڈیا نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پمفلٹ کا لکھنے والا ”سامروڈی“ ہے اور یہ پمفلٹ ”اناولیل بندھو پرنٹنگ پریس“ میں چھپا ہے، یہ صحیح طور پر ثابت نہیں ہو سکا، سامروڈی صاحب کو اور پریس کے مالک کو بری الذمہ قرار دیکر رہا کر دیا گیا، اور اس پمفلٹ کو غیر قانونی ہونے کی وجہ سے ضبط کر لیا گیا اس مقدمہ کی تفصیل ماہنامہ پیغام کاوی ضلع بھروچ ۱۹۵۸ء کے فائلوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سامروڈی صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اب ان کے جانشین یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں، آئے دن کچھ نہ کچھ مذہب حنفی کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں، جبوسر ضلع بھروچ گجرات سے ”ندائے حق“ نام کا ایک ماہنامہ رسالہ جاری کر رکھا ہے، شاید ہی اس کا کوئی شمارہ اس قسم کی نازیبا حرکتوں سے خالی ہوتا ہو، تقریباً ہر شمارے میں تقلید کی مذمت اور احناف کے خلاف طعن و تشنیع ضرور ہوتی ہے اور سال بہ سال بیس رکعت تراویح کے متعلق لمبا چوڑا پمفلٹ (جس کا مفصل جواب دیدیا گیا ہے اور چھپ بھی گیا ہے) شائع کرتے رہتے ہیں اور عوام کو مذہب حنفی سے بدظن کرنے کی انتھک کوشش کرتے رہتے ہیں ان کی اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے بعض لوگ ان کے ہم خیال ہو گئے، چنانچہ سائل بھی (غالباً) انہی کا ہم خیال ہو چکا ہے، اس بناء پر ان کے سوال کا یہ طویل جواب لکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے احباب و اقرباء کو اور امت محمدیہ (ﷺ) کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور حق کی ہدایت نصیب کرے اور فتنوں سے محفوظ رکھ کر حسنِ خاتمہ کی دولت عطا فرماوے۔

آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین .

فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

تمتہ جواب اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

تمہ جواب

مستفتی نے سوال میں تحریر کیا ہے:

”نماز میں رفع یدین کرنا نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت سے ثابت ہے اور یہ مسئلہ حنفی مذہب کی کتاب ہدایہ جلد اول صفحہ نمبر ۳۷۹ میں موجود ہے۔“

مستفتی نے یہ دو حوالے پیش کر کے یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں رفع یدین اور آئین بالجہر کو سنت لکھا ہے حالانکہ سوال میں جن صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس صفحہ پر یا اس کے آگے پیچھے کہیں اس کا بیان بھی نہیں ہے۔ لہذا اس بات کو صاحب ہدایہ کی طرف منسوب کرنا قطعاً غلط افتراء جھوٹ ہے اور عوام الناس کو دھوکہ دینا ہے۔ رفع یدین کے متعلق صاحب ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

”ولا يرفع يديه الا في التكبير الاولى خلافاً للشافعي في الركوع وفي الرفع منه لقوله عليه السلام لا ترفع الا يدي الا في سبع مواطن تكبيرة الافتتاح وتكبيرة القنوت وتكبيرات العيدين وذكر الرابع في الحج والذي يروى من الرفع محمولٌ على الابتداء كذا نقل عن ابن الزبير“

(ہدایہ اذیلین صفحہ نمبر ۹۲-۹۳، ج ۱، باب صفۃ الصلوۃ)

ترجمہ و مطلب: اپنے دونوں ہاتھوں کو تکبیر افتتاح (یعنی تکبیر تحریمہ) کے علاوہ کسی اور موقع پر نہ اٹھائے، امام شافعی کے خلاف۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا لا ترفع الا یدیں سات مقامات کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہ کیا جائے (۱) تکبیر افتتاح کے وقت۔ (۲) دعاء قنوت پڑھنے کیلئے تکبیر کہنے کے وقت۔ (۳) عیدین کی (زائد) تکبیرات کہنے کے وقت۔ اور بقیہ چار مقام حج میں ہیں۔ اور رفع یدین سے متعلق جو مروی ہے وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔ (یعنی ابتدائے اسلام میں یہ طریقہ تھا پھر یہ متروک ہو گیا) حضرت ابن زبیر رضی اللہ

عہما سے یہی منقول ہے۔ حاشیہ میں ہے:

”فَإِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزَّبِيرِ رَأَى رَجُلًا يَصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَيُكَانِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنْهُ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لِاتَّفَعَلْ فَإِنَّ هَذَا شَيْءٌ فَعَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ تَرَكَ“.

یعنی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام میں ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتا ہے جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا لا تفعل تم رفع یدین مت کرو۔ نبی اکرم ﷺ نے پہلے رفع یدین کیا پھر ترک کر دیا۔ (حاشیہ ۲ ہدایہ اولین صفحہ نمبر ۹۳)

ہکذا آمین الجہر سے متعلق ہدایہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”وَإِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَيَقُولُهَا الْمَوْتُمْ... أَلِی قَوْلِهِ وَيَخْفَوْنَهَا لِمَارُونًا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَلَأنَّهُ دَعَاءٌ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَاءِ“.

(ہدایہ اولین صفحہ نمبر ۸ باب الصلوٰۃ)

یعنی: جب امام ولا الضالین کہے تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہیں اور تمام حضرات آمین آہستہ سے کہیں جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث سے ثابت ہے (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث صاحب ہدایہ نے اسی صفحہ پر اوپر نقل فرمائی ہے)

لقول ابن مسعود اربع يخفين الامام وذكر من جملتها التعوذ والتسمية وآمين.

(یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام مخفی آواز سے کہے اور ان چار میں تعوذ، تسمیہ اور آمین کا ذکر فرمایا۔)

ولأنه دعاء ورد دليل عقلي یہ ہے کہ آمین دعاء ہے اور دعاء کا معنی اخفاء ہے (کہ دعا آہستہ آواز میں مانگی جاتی ہے)

ناظرین رفع یدین اور آمین بالجہر کے متعلق صاحب ہدایہ کی عبارت اور ان کا فیصلہ ملاحظہ

فرمائیں۔ سوال میں جوابات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے ہدایہ میں اس چیز کا نام و نشان بھی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے۔ لہذا یہی کہا جائے گا کہ یہ صاحب ہدایہ پر بہتان ہے۔ (سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ)

اب ہم مختصر اہر دو مسائل کی مزید تحقیق پیش کرتے ہیں:

رفع یدین:

سکون و خشوع نماز کی روح ہے چنانچہ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے:

اسکنوا فی الصلوٰۃ نماز میں سکون اختیار کرو۔ (مسلم شریف صفحہ نمبر ۱۸۱ ج ۱)

لہذا جس قدر نماز کے اندر سکون کا لحاظ ہوگا اسی قدر نماز مقبول ہوگی۔ ابتدائے اسلام میں بعض ایسے امور جو سکون کے خلاف تھے وہ نماز میں مشروع تھے مثلاً۔ نماز میں ہاتھ اٹھا کر سلام کرنا۔ سلام کا جواب دینا۔ نماز میں بات چیت کر لینا۔ نماز میں گردن پھرا کر ادھر ادھر دیکھ لینا۔ بعد میں یہ امور بتدریج منسوخ ہو گئے یہی حال رفع یدین کا ہے رسول مقبول ﷺ سے تکبیر تحریر کے علاوہ رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے، سجدہ کرتے وقت، سجدہ سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین کرنا ثابت ہے، چنانچہ نسائی شریف میں حدیث ہے:

”عن مالک بن الحویث ان نبی اللہ ﷺ کان اذا دخل فی الصلوٰۃ یعنی رفع یدیه واذار کع فعل مثل ذلک واذارفع رأسه من الرکوع فعل مثل ذلک واذارفع رأسه من السجود فعل مثل ذلک کله یعنی رفع یدیه“۔

(نسائی شریف ص ۱۱۴)

طحاوی شریف میں ہے:

”حدثنا ابن ابی داؤد..... عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ کان

یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ وحين یرکع وحين یسجد“۔

(طحاوی شریف ص ۱۰۹ ج ۱)

نیز ایک حدیث میں ہے:

”قال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة النبی ﷺ فاذا قام من الركعتين کبر ورفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه الخ.“

(طحاوی شریف ص ۱۰۹)

مگر رفتہ رفتہ قبل و بعد سجدہ اور تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین متروک ہو گیا۔ جس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت رفع یدین متروک ہو گیا (یعنی اس پر عمل نہ رہا) صرف تکبیر تحریمہ کے وقت باقی رہا۔ رفع یدین کے متعلق احناف کا جو مسلک ہے وہ احادیث کے خلاف نہیں۔ مذہب حنفی کے موافق بہت سی احادیث ہیں۔

ترمذی شریف میں ہے:

”حدثنا هناد.... عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود ألا أصلي بكم صلاة رسول الله ﷺ فصللي فلم يرفع يديه الا في اول مرة. وفي الباب عن البراء بن عازب. قال ابو عيسى حديث ابن مسعود حديث حسن وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعين وهو قول سفیان واهل الكوفة“.

ترجمہ: علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی اور صرف اوّل بار یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ فرمایا ہے اس مضمون کی حدیث حضرت براء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اسی کے قائل ہیں بہت سے اہل علم اصحاب نبی ﷺ اور تابعین میں سے۔ اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

(ترمذی شریف ص ۱۳۵ ج ۱) (باب رفع الیدین عند الركوع)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

حدثنا محمد بن الصباح عن البراء (بن عازب) ان رسول الله ﷺ كان اذا

افتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ واجب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک دونوں ہاتھ اٹھاتے (رفع یدین کرتے) اور پھر نہ کرتے۔

(ابوداؤد شریف ص ۱۱۶ ج ۱، ابی حاتم، باب من لم يذكر الرفع عند الفتح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے رازدار، خلوت و جلوت کے ساتھی اور نماز میں بھی حضور ﷺ کے قریب رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے افعال کی جس قدر آپ کو اطلاع ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے خصوصاً نماز کے افعال اور نماز کا طریقہ کہ آپ ﷺ کے پیچھے ہی کھڑے رہتے تھے اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بارے میں بہت قوی حجت ہونی چاہئے۔

امام طحاویؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل نقل فرمایا ہے:

فَإِنَّ أَبَا بَكْرَةَ قَدْ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ..... عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ فِي
أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(طحاوی شریف ص ۱۱۰)

موطا امام محمدؒ میں ہے:

قال محمد اخبر ابو بكر بن عبد الله النهشلي عن عاصم بن كليب الجرمي عن
ابيه وكان من اصحاب علي بن ابي طالب كرم الله وجهه كان يرفع يديه
في التكبيرة الاولى التي يفتح بها الصلوة ثم لا يرفعهما في شيء من الصلوة.

(موطا امام محمد ص ۷۳، ۷۴)

طحاوی شریف اور موطا امام محمدؒ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صرف تکبیر تحریر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کی حدیث منقول ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کے نزدیک رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا

ہو۔ ورنہ حضرت علیؓ اپنی روایت کے خالف عمل نہ کرتے۔

چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

فَإِنَّ عَلِيًّا لَمْ يَكُنْ لِيرَى النَّبِيِّ ﷺ يَرْفَعُ ثُمَّ يَتْرُكُ هُوَ الرِّفْعُ بَعْدَهُ أَلَا وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُ نَسْخُ الرِّفْعِ فَحَدِيثُ عَلِيٍّ إِذَا صَحَّ فِيهِ أَكْثَرُ الْحُجَّةِ بِقَوْلِ مَنْ لَا يَرَى الرِّفْعَ.

(طحاوی شریف ص ۱۱۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ترک رفع مروی ہے۔ طحاوی شریف میں ہے:

وَقَدْ رُوِيَ مِثْلُ ذَلِكَ أَيْضًا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَمَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُدَ قَالَ ثَنَا الْحَمَّانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ..... عَنْ الْأَسْوَدِ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ.

یعنی..... اسود فرماتے ہیں: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں: وہ وحديث صحيح. یہ حدیث صحیح ہے۔ (طحاوی شریف ص ۱۱۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کی روایت منقول ہے مگر آپ کا عمل یہ تھا کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عمرؓ کو اس کا نسخ معلوم ہوا ہوگا جب ہی تو آپ نے اپنی روایت کے خلاف عمل کیا۔ امام طحاویؒ نقل فرماتے ہیں:

قَالَ ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عِيَّاشٍ عَنْ حَصِينٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ.

یعنی مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ صرف تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

فَهَذَا ابْنُ عُمَرَ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَرْفَعُ ثُمَّ قَدْ تَرَكَ هُوَ الرِّفْعَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَا يَكُونُ

الا وقد ثبت عنده نسخه ما قد رأى النبي ﷺ فعله وقامت الحجة عليه بذلك.

(طحاوی شریف ص ۱۱۰)

زجاجۃ المصانح میں ہے:

عن عبد العزيز بن حكيم. قال رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء اذنيه في اول

تكبيرة افتتاح الصلوة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك. (رواه محمد)

یعنی: عبدالعزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو تکبیر تحریرہ کے وقت دونوں کانوں کے مقابل ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور اس کے علاوہ کسی اور موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(زجاجۃ المصانح ص ۲۲۸ ج ۱، مؤطا امام محمد ص ۷۳ باب افتتاح الصلوة)

رفع یدین سے متعلق امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کا مناظرہ:

زجاجۃ المصانح میں ہے:

وفى مسند امامنا ابى حنيفة عن سفيان بن عيينة قال اجتمع ابو حنيفة

والاوزاعى فى دار الحناتين بمكة فقال الاوزاعى لابى حنيفة ما بالكم لا

ترفعون ايديكم فى الصلوة عند الركوع وعند الرفع منه فقال ابو حنيفة لأجل

انه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شئ. قال كيف لا يصح وقد حدثنى الزهرى

عن سالم عن ابيه عن رسول الله ﷺ انه كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وعند

الركوع وعند الرفع منه. فقال له ابو حنيفة وحدثنا حماد عن ابراهيم عن

علقمة والاسود عن ابن مسعود ان رسول الله ﷺ كان لا يرفع يديه الا عند

افتتاح الصلوة ولا يعود لشي من ذلك. فقال الاوزاعى احدثك عن الزهرى عن

سالم عن ابيه وتقول حدثنى حماد عن ابراهيم. فقال له ابو حنيفة كان حماد أفتة

من الزهرى. وكان ابراهيم أفتة من سالم. وعلقمة ليس بدون ابن عمرؓ فى الفقه

وان كانت لابن عمرؓ صحبة وله فضل صحبة فالاسود له فضل كثير وعبد الله

هو عبد الله فسكت الاوزاعي.

ترجمہ: مسند امام ابوحنیفہؒ میں سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ مکہ معظمہ میں بمقام دارالحناطین امام ابوحنیفہؒ کی امام اوزاعیؒ سے ملاقات ہوئی تو امام اوزاعیؒ نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا۔ اس وجہ سے کہ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث (قابل حجت) ثابت نہیں۔ اس پر امام اوزاعیؒ نے فرمایا کیوں ثابت نہیں؟ مجھے زہری نے۔ اُن سے سالم نے۔ اُن سے اُن کے والد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ آغاز نماز میں رفع یدین کرتے تھے اور قبل الركوع اور بعد الركوع بھی (رفع یدین کرتے تھے)۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کا جواب دیا مجھے حماد نے۔ اُن سے ابراہیم نخعی نے۔ اُن سے اسود و علقمہ نے۔ اُن سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا میں عن زہری عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کر رہا ہوں اور آپ اس کے مقابلے میں عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود روایت پیش کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: حماد زہری سے اور ابراہیم سالم سے زائد ہیں (فقہ میں)۔ گو ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صحابی ہونے کی فضیلت حاصل ہے تاہم فقہ میں علقمہ ان سے کم نہیں اور عبد اللہ (ابن مسعود) تو عبد اللہ ہی ہیں۔ یہ سکر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

(زحاجۃ المصاحح ص ۲۲۹ ج ۱)

رفع یدین نہ کرنے کے متعلق غیر مقلدین کے پیشوا

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا بیان:

جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے۔ جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔

(اہل حدیث کا مذہب ص ۷۹ از مولانا ثناء امرتسری)

۔ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

مذکورہ بیان سے واضح ہوا کہ بقول مولانا ثناء اللہ صاحب رفع یدین ایک مستحب امر ہے۔ نہ کرنے پر نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ لہذا غیر مقلدین کا اس کو معرکہ الراء مسئلہ بنالینا اور احناف کے خلاف طعن و تشنیع کرنا کہ یہ لوگ احادیث کے خلاف کرتے ہیں (حالانکہ احناف کا عمل احادیث کے موافق ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا) یہ طعن بے اصل معاندانہ ہے اور خواہ مخواہ عوام الناس کو ورغلا نا ہے۔

آمین بالجہر:

ابتداء اسلام میں آنحضور ﷺ تعلیم صرف قولاً ہی نہیں عملاً بھی دیا کرتے تھے۔ اس کی کئی نظریں ہیں۔ مثلاً: نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا خفیہ پڑھنا ہی مشروع ہے تاہم یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کبھی تعلیم کی غرض سے جہراً بھی پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

حدثني هارون بن سعيد..... يقول سمعت عوف بن مالك يقول يقول صلى رسول الله ﷺ على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه..... الخ.

یعنی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازے کی نماز پڑھائی اور آپ نے نماز میں جو دعا پڑھی وہ میں نے یاد کر لی۔ دُعا یہ ہے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَاعْبُدْهُ بِالنَّارِ وَالسَّلَاحِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ.

(مسلم شریف ص ۳۱۱ ض ۱)

اسی طرح ظہر اور عصر میں قراءت سراً پڑھی جاتی ہے مگر گاہے آنحضرت ﷺ ایک آدھ آیت

تقلید شرعی کی ضرورت

جہر ابھی پڑھ دیا کرتے تھے تاکہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے آپ نے کوئی سورت پڑھی۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۷۹)

الغرض اس کی بہت سی نظریں مل سکتی ہیں۔ اسی طرح آغاز اسلام میں حضور اکرم ﷺ بغرض تعلیم آمین جہر اکہتے تھے۔ معارف السنن میں ہے:

قال الشيخ رحمه الله: وقد يجاب عن الجهر بأنه كان للتعليم..... الى قوله..... قال الشيخ: ويؤيده ما أخرجه الحافظ ابو بشر الدولابي في كتاب "الاسماء والكنى" (۱-۱۹۷) من حديث وائل فيه: وقرا "غير المغضوب عليهم ولا الضالين". فقال آمين يمد بها صوته ما اراه ألا ليعلمنا "فهذا القول منه صريح في انه اراد ان يعلمهم سنة التأمين.

یعنی: شیخ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں۔ جہر آمین کہنے کے متعلق ایک جواب یہ ہے کہ یہ بغرض تعلیم تھا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو بشر دولابی نے "کتاب الاسماء والکنی" میں... ص ۱۹۷ ج ۱۔ پر حضرت وائل سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھ کر آمین کہی اور آواز کو بلند کیا۔ میرا گمان یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہم کو تعلیم دینے کی غرض سے بلند آواز میں سے آمین کہی۔

(معارف السنن شرح ترمذی ص ۳۰۶ ج ۱۲ از محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ)

معلوم ہوا کہ آمین جہر اکہنا امت کی تعلیم کے لئے تھا اور جب امت کو تعلیم ہو گئی تو حضور ﷺ نے سر اکہنا شروع کر دیا چنانچہ شعبہ کی روایت ہے۔ جسے ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے:

روى شعبة هذا الحديث عن سلمة بن كهيل عن حجو ابى العنيس عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبى ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين وخفض بها صوته.

ترجمہ: شعبہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے..... علقمہ اپنے والد حضرت وائل سے روایت

کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر پست آواز سے آمین کہی۔
(ترمذی شریف ص ۳۳۲ ج ۱ باب ماجاء فی التامین)

زجاجة المصانح میں ہے:

عن علقمہ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع النبی ﷺ فلما بلغ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین وخفض بها صوتہ. رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاه.

حاکم نے علقمہ والی یہ روایت نقل فرمائی ہے اور خفض بها صوتہ نقل فرمایا اور حاکم نے اس حدیث کی نسبت فرمایا: ”صحیح الاسناد ولم یخرجاه“ یعنی اس کی سند صحیح ہے اور پھر بھی بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔
(زجاجة المصانح ص ۲۵۸ ج ۱)

نیز زجاجة المصانح میں ہے:

وعنه عن ابیہ انہ صلی مع النبی ﷺ فلما بلغ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین وأخفی بها صوتہ. رواہ احمد وابو داؤد الطیالسی، وابو یعلی والطبرانی والدارقطنی.

یعنی: مذکورہ حدیث امام احمد اور ابو داؤد الطیالسی اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں اور دارقطنی نے اپنی سنن میں نقل فرمائی ہے اور ان سب نے وأخفی بها صوتہ روایت کی ہے۔
(زجاجة المصانح ص ۲۵۸ ج ۱)

نیز زجاجة المصانح میں ہے:

وعن ابی وائل قال لم یکن عمر وعلی رضی اللہ عنہما یجہران بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بآمین رواہ الطبرانی فی تہذیب الآثار.

یعنی طبرانی نے تہذیب الآثار میں ابو وائل سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما (سورہ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے) بسم اللہ الرحمن الرحیم (اور ولا الضالین کے بعد) آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔
(زجاجة المصانح ص ۲۵۹ ج ۱)

اس اثر کو امام طحاویؒ نے بھی معانی الآثار میں بیان کیا ہے:

حدثنا سليمان بن شعيب قال حدثنا علي بن معبد قال حدثنا ابو بكر بن عياش عن ابي سعيد عن ابي وائل قال قال كان عمر وعلى لا يجهران ببسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتأمين .

یعنی: حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بسم اللہ الرحمن الرحیم، اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے۔

(معانی الآثار المعروف بہ طحاوی شریف ص ۹۹۔ باب قرآنہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوٰۃ)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبدالرزاق عن الثوری عن منصور عن ابراهيم قال: خمس يخفيهن سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم وامين واللهم ربنا ولك الحمد.

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں (امام کو) آہستہ آواز میں کہنی چاہئے سبحانک اللہم وبحمدک، اعوذ باللہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم اور آمین، اللہم ربنا ولك الحمد.

(مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۸)

نیز مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن معمر والثوري عن منصور عن ابراهيم انه كان يسر آمين.

ابراہیم نخعی آمین آہستہ آواز میں کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۹)

محدث کبیر علامہ محمد یوسف بنوریؒ ’معارف السنن‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

عن ابراهيم قال قال عمر اربع يخفيهن الامام، التعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم وامين واللهم ربنا ولك الحمد (ابن جرير) فتلخص ان اخفاء التأمين هو مذهب عمرؓ وعلىؓ وعبد اللهؓ وابراهيم النخعي وجمهور الصحابة والتابعين وسائر اهل الكوفة.

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ آواز سے کہے: اعوذ باللہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم، آمین اور اللّٰهُمَّ ربنا ولك الحمد (ابن جریر) خلاصہ کلام یہ ہے، آمین آہستہ آواز سے کہنا یہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ، ابراہیم نخعیؒ، جمہور صحابہ، تابعین اور تمام اہل کوفہ کا مذہب ہے۔

(معارف السنن شرح ترمذی ص ۴۱۳ ج ۲)

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی تحقیق ہے:

”خلفاء راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ کا عمل (آمین کے) اخفاء ہی کا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ سے اخفاء ہی منقول ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا ورنہ یہ جلیل القدر صحابہؓ آپؐ کے خلاف کیسے کر سکتے تھے۔ (معارف مدنیہ ص ۳۳ حصہ پنجم) نیز معارف مدنیہ میں ہے:

(شعبہ اور سفیان والی روایت جمع کی) ایک صورت تو وہ ہے جو پہلے گذری، دوسری یہ جہر بیان جواز کیلئے تھا، تیسرے تعلیم امت کیلئے تھا، چوتھے ابتداء میں تھا اس کے بعد نہیں رہا اس کا قرینہ یہ ہے کہ طبرانی میں ”اِنَّهٗ اَمَّنَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ“ یعنی آپؐ نے زور آمین تین مرتبہ کہی ہے۔ نیز ابو بشر دولابی نے ”الاسماء والکنی“ میں حضرت وائلؓ سے ہی روایت کیا ہے: حضور ﷺ نے آمین زور سے جو کہی یہ ہمارے سکھانے کے لئے تھی، اس سے زیادہ واضح قرینہ اور کیا ہو سکتا ہے اس بات کا کہ اصل سنت اخفاء ہے اور جہر عارضی تھا جیسا کہ سبحانک اللّٰهُمَّ یا التحیات وغیرہ بعض اوقات زور سے پڑھی جاتی تھیں تعلیم امت کے لئے، ایسا ہی یہ بھی ہے۔ تیسرے یہ کہ ابوداؤد میں ہے۔ حضرت وائلؓ (۱) رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے ایک مرتبہ آمین بالجہر سنا اور دوسری مرتبہ بالاخفاء۔ لہذا دونوں کو روایت کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہر ابتداء میں تھا بعد میں اخفاء ہو گیا۔ ورنہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما جہر کو نہ چھوڑتے، یہ صورتیں جمع اور تطبیق کی ہیں۔ الخ

(۱) آمین کے جہر اور سر کے حلق ترمذی نے دو روایتیں بیان کی ہیں وہ دونوں روایتیں بیان کی ہیں، وہ دونوں روایتیں حضرت وائلؓ سے مروی ہیں۔ سفیان جہر کہنے کی روایت کرتے ہیں اور شعبہ سر کی روایت کرتے ہیں۔

آمین آہستہ کہنے کی ایک اور دلیل:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آمین سورۃ فاتحہ یا قرآن کا جز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آمین کو لکھا نہیں جاتا آمین دعا ہے اور دعائی اور آہستہ آواز میں ہونی چاہئے۔ قرآن میں ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ اپنے رب کو عاجزی و آہستگی سے پکارو۔ اس آیت کریمہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آمین سرّاً کہنا چاہئے۔

زجاجۃ المصانح میں ہے:

وبالقياس على سائر الاذكار والادعية ولان آمين ليس من القرآن اجماعاً فلا ينبغي ان يكون على صوت القرآن وبإخفائها يقع التميز بين القرآن وغيره فانه اذا جهر بها مع الجهر بالفاتحة يلبس انها من القرآن كما انه لا يجوز كتابته في المصحف، ولهذا اجمعوا على اخفاء التعوذ لكونه ليس من القرآن.

یعنی آمین سرّاً کہنا ہی رائج ہے دیگر اذکار اور دعاؤں پر قیاس کرتے ہوئے اور اس وجہ سے کہ آمین بالا جماع قرآن میں سے نہیں ہے لہذا آمین کو قرآن کی طرح بلند آواز سے کہنا مناسب نہیں ہے آہستہ کہنے سے قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز ہو جاتا ہے اسلئے کہ اگر سورۃ فاتحہ کی طرح آمین کو بھی جہراً کہا جائے تو یہ التباس ہوگا کہ آمین قرآن میں سے ہے، جیسا کہ قرآن میں آمین لکھنا جائز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بالا جماع آہستہ آواز میں پڑھنا ہے اس بنا پر کہ وہ قرآن میں نہیں ہے۔ الخ

(زجاجۃ المصانح ص ۲۵۸ ج ۱۔ حاشیہ)

شعبہ والی روایت پر امام ترمذیؒ نے چند شبہات فرمائے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

واخطأ شعبة في مواضع من هذا الحديث فقال من حجر ابى العنبرس وانما هو حجر بن العنبرس ويكنى ابا السكن وزاد فيه عن علقمة بن وائل وليس فيه علقمة وانما هو حجر بن العنبرس عن وائل.... الخ

یعنی شعبہ نے اس حدیث میں چند غلطیاں کی ہیں (۱) شعبہ نے اپنی روایت میں حجر ابوالعنبرس

کہا ہے حالانکہ حجر ابن العننس ہے۔ (۲) شعبہ نے ان کی کنیت ابو العننس بیان کی ہے حالانکہ ان کی کنیت ابوالسکن ہے۔ (۳) شعبہ نے اپنی روایت میں علقمہ کی زیادتی کی ہے، حالانکہ اس روایت میں علقمہ نہیں ہیں۔ (ترمذی شریف ص ۳۴ ج ۱)

جواب یہ ہے کہ حجر کے باپ اور بیٹے دونوں کا نام عننس ہے یہ بات گوہندوستان میں معیوب ہے لیکن عرب میں پسندیدہ اور بکثرت رائج تھی (معارف مدنیہ ص ۳۱ حصہ ۵) لہذا جس طرح حجر ابن العننس صحیح ہے۔ اسی طرح حجر ابو العننس بھی صحیح ہے۔ (۲) حجر کی کنیت ابوالسکن بھی تھی اور ابو العننس بھی۔ ایک شخص کی دو کنیت ہونے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

(معارف مدنیہ)

(۳) حجر نے علقمہ اور وائل دونوں سے سنا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد طیالسی میں تصریح ہے کہ حجر نے کہا ہے کہ میں دونوں سے سنا ہے۔ (معارف مدنیہ ص ۳۱ حصہ پنجم) زجاجۃ المصانح میں ہے:

وحجر اسم ابیہ عنبس وکنیتہ ککنیۃ ابیہ ابو العننس ولا مانع من ان یکون له کنیۃ اخری ابوالسکن لانه یکون لشخص واحد کنتان بهذا جزم ابن حبان فی کتاب الثقات وزاد فیہ علقمہ لا یضر لان الزیادۃ کان من الثقۃ مقبولۃ ولا سیما من قبل شعبۃ الخ

(زجاجۃ المصانح ص ۲۵ ج ۱)

شعبہ کی روایت کی وجہ ترجیح:

”معارف مدنیہ“ میں ہے:

علاوہ ازیں سفیان مدلس ہیں اور مدلس کی مععن روایت میں تدلیس کا امکان و شائبہ ہوتا ہے یہ روایت ایسی ہی ہے اس لئے شائبہ تدلیس موجود ہے۔ اس کے برخلاف شعبہ کی روایت اس کمزوری سے پاک ہے کیونکہ شعبہ مدلس نہیں تھے۔ نیز ان کی روایت مسلسل بالتحديث ہے جبکہ سفیان کی روایت مععن ہے۔ یہ شعبہ کی روایت کی وجہ ترجیح ہے۔ علاوہ ازیں سفیان اور شعبہ کے

بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ ان میں رائج یہ ہے کہ شعبہ احادیث کے متون اور رجال کے حفظ میں بڑے ہوئے ہیں اور سفیان صاحب ابواب ہیں۔ یعنی فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ یحییٰ ابن سعید قطان، حماد بن سلمہ، احمد بن حنبل، ابو داؤد وغیرہ کے اقوال کا خلاصہ یہی ہے۔ خود سفیان کہتے ہیں کہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ چونکہ یہ بحث احادیث کی عبارت اور رجال سے تعلق رکھتی ہے اس لئے شعبہ کی روایت قابل ترجیح ہوگی۔ یہ شعبہ کی روایت کی دوسری وجہ ترجیح ہے۔ تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ خود شعبہ فرماتے ہیں جس کسی سے میں نے روایت کی ہے۔ اس کے پاس ایک سے زائد مرتبہ گیا ہوں اور جس سے میں نے دس روایتیں سنی ہیں۔ اس کے پاس دس سے زائد مرتبہ حاضر ہوا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعبہ ایک ایک روایت کو کئی کئی بار سن کر یاد کرتے تھے تاکہ غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ یہ بات سفیان میں نہیں تھی اس لئے شعبہ کی روایت لائق ترجیح ہے۔ چوتھے سفیان کا مسلک خود ان کی روایت کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود اپنی روایت کو قابل عمل نہ سمجھتے تھے۔ یہ شعبہ کی روایت کی چوتھی وجہ ترجیح ہے۔

(معارف مدنیہ ص ۳۲ حصہ پنجم)

فقط واللہ اعلم بالصواب